مبارکپور، ضلع اعظم گڈہ، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۴ر

مصنف نے اس رسالہ مین کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کرناچاہا ہے، کہ اہلِ بیت سے مراد صرف ازواجِ مطہرات ہین، نیز عصمت اہلِ بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ :- آبگلہ، ڈاکخانہ، بنیادگنج ضلع گیا، حجم ۲۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیاً صالحین سے محبت رکھکر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیرالدین مرحوم :- پتہ :- سعید برادرس پبلشرز الہ آباد، حجم ۶۴ صفحے، قیمت :- ۳ر

وسیلۃ النجاۃ مین نماز کے مستحبات، مختلف اعمالِ صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے، مختلف احادیث وآثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہین،

مقاصدِ قرآن، از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۸۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ :- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ مین قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہین، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روزِ آخرت اور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قومون نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش فرماکر نوعِ انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

"س"

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

شذرات

ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی تنظیم کا شیرازہ ایسا بکھر گیا، کہ ملت کے پورے نظام مین ابتری و پراگندگی پھیل گئی، نصف صدی پہلے سے مسلمانون نے حکومت سے نظر التفات کی التجائین کرکے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی باربار کوششین کین، مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے، مجالس قانون ساز مین بھی انھون نے انفرادی کوششون سے اپنی تمدنی و مذہبی ضرورتون کے لئے مختلف بل پیش کئے، مگر ان کا نتیجہ بھی کچھ اطمینان کے قابل نہین نکلا، معارف نے آج سے اٹھائیس برس پہلے حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر نہ حکومت ہی نے ادھر توجہ کی، اور نہ مسلمانون نے،

ہندوستان کے اسلامی عہد مین صدر جہان کا منصب انہی ضرورتون سے قائم تھا، اس کی نگرانی مین مسلمانون کے مذہبی احکام و فرائض انجام پاتے تھے، اس عہد کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ مین بھی یہ عہدے قائم رہے، اور دیسی ریاستون مین برائے نام سہی وہ آج بھی موجود ہین، حیدرآباد کے صدر الصدور یا ناظم امور مذہبی کا منصب، یا بھوپال مین دار القضا کا محکمہ پچھلے ہی دور کی نشانیان ہین، پھر ہندو ریاستون مین بڑودہ کے "قاضی" گوالیار کے "مفتی" اور برطانوی ہند مین بنگال کے "قاضی نکاح" بیسوین صدی مین بھی وہان کے سرکاری عہدہ دار ہین اور اگر یورپی سلطنتون کے زیر اثر ممالک کی مثال لائی جائے، تو الجزائر، ٹیونس، اور طرابلس وغیرہ کے مذہبی امور کے ادارے اب تک چل رہے ہین،

خلافت کی تحریک و امارت شرعیہ کی تاسیس مین اسی نظام کے دوبارہ قیام کا خیال غالب تھا، مگر افسوس ہے کہ ایک بیرونی

حکومت نے مسلمانون کی زندگی کی اس بڑی ضرورت کا احساس نہین کیا، لیکن اب جبکہ ایک نئے ہندوستان کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور اسلامی اکثریت اور اسلامی اقلیت کے صوبون مین مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومتین قائم ہین، اور ملک کے لئے ایک نئے نظامنامہ کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے، یہی وہ وقت ہے جب اس مسئلہ پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اب ۱۹۳۵ء ایکٹ کی ماتحت حکومتین چراغ سحری ہین جون ۱۹۴۸ء تک نیا ہندوستان اپنے نئے رنگ روپ مین سامنے آنے والا ہے، ہندوستان کا آیندہ نظام خواہ جیسا بھی ہو، اس کے نقشہ مین جس اعتبار سے جس قسم کے رنگ بھی بھرے جائین، بہرحال وہ آج برطانوی ہند سے ایک مختلف ہندوستان ہوگا، اسلامی اکثریت کے صوبون مین اسلامی طاقت غالب ہوگی اس لئے وہان اس نظام پر غور کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہ ہوگا، لیکن اسلامی اقلیت کے صوبے بھی مسلمانون کی اس ضرورت سے چشم پوشی نہین کر سکتے،

ہمین اس سلسلہ مین قضاۃ کا تقرر کرنا ہے، کہ نکاح و طلاق اور خلع کے مقدمون کا شرعی احکام کے مطابق فیصلہ ہو سکے، مسجدون کے آباد ہونے کا نظام بنانا ہے، کہ ان کے لئے ائمہ و خطیب مقرر کرنے کی سہولتین حاصل ہون، پھر مذہبی اوقاف کے انتظام کو نئی شکل مین لے آنا ہے، یہ اور اس قسم کی ساری ضرورتین شیخ الاسلام ہی کی مرکزی مسند سے پوری کیجا سکتی ہین، ضرورت ہے کہ صوبون مین اور اگر متحد مرکزی حکومت بنے تو مرکز مین امور مذہبی کے انتظام کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جو پوری تنفیذی قوت کے مالک ہونے کے ساتھ وہ صوبہ یا مرکز کی حکومت کا ایک شریک جزء ہو، مگر وہ صوبہ یا مرکز کے حکمران طبقہ مین سے صرف مسلم عناصر سے وابستہ رہے اور صوبہ کی اسمبلی کے مسلمان ممبرون کے سامنے جوابدہ ہو، اس کے ساتھ اس شعبہ کا صدر حکومت کے کابینہ کا ایک رکن یا وزیر ہو،

اگر اقلیت کے صوبون مین مسلمانون کو باعزت زندگی کے ساتھ رہنا ہے، تو انھین اکثریت کے صوبون کے مسائل کے ساتھ خاص طور پر ان مسائل پر بھی غور کرنا ہے، کہ ان صوبون مین ان کی اجتماعی زندگی کی پراگندگی

کا خاتمہ ہو، آزاد ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کی مذہبی آزادی و ثقافتی تحفظ کا اعلان بار بار دہرا گیا ہے، اب
ان کاغذی اعلانوں کی آزمایش کا وقت آپہنچا ہے، اس قسم کے کسی مذہبی شعبہ کا قیام مسلمانوں کے لئے خواہ
وہ اکثریت کے صوبوں میں ہوں، یا اقلیت کے، ان کی اہم دینی و اجتماعی ضرورت ہے، اس لئے اگر موجودہ نا پائدار
حکومتوں سے کسی زکوٰۃ و بیت المال بل کو منظور کرانے کی کوششوں کے بجائے ملک کے ممتاز علماء و ارباب فکر
دسیع پیمانہ پر نظام حکومت سے منسلک ایک مذہبی شعبہ کی داغ بیل ڈالنے کی ایک اسکیم مرتب کرنے پر اپنا وقت
صرف کریں، تو زیادہ مناسب ہوگا،

اس اسکیم کے ضروری اجزاء میں شرعی مسائل و احکام کا اجراء و نفاذ کرنا اور اسلامی اوقاف، مساجد، دینی
درگاہیں دار الافتاء، دار القضاء اور ان کے ماتحت نکاح، طلاق، خلع، تفریق، شفعہ، وراثت، رویت ہلال،
رمضان و عیدین کی تاریخ کی تعیین اور انتظام حج وغیرہ کے وسائل مہیا کرنا، داخل ہوں گے، پھر اسی شعبہ کے
ماتحت عشر و زکوٰۃ و صدقات اور عمومی اوقاف کے محاصل کو دینی اشرائط کے مطابق وصول کرنا، اور ان کو شرعی
حدود و قیود کے مطابق صرف کرنا ہوگا، یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل میں جو ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے ہماری شیرازہ بندی
کے منتظر ہیں نیز یہ بھی اشارہ کر دینا ضروری ہو کہ شرعی محاصل اور شرعی مقدمات کے اسٹامپ سے اس شعبہ کے سارے مصارف پورے
کئے جاسکتے ہیں، اور مرکز یا کسی صوبہ کے خزانہ پر جداگانہ مالی بار کے پڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا ہے امید ہے
کہ ملک کے ارباب فکر اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے،

اس وقت اصل ضرورت اسی نوعیت کے کسی مسودہ قانون کی ہے امید ہو کہ اسلامی اخبارات خواہ وہ جس سیاسی
مسلک سے شریک ہوں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو ارباب فکر رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے سامنے لائیں گے،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

"مولانا عبد السلام صاحب ندوی آج کل ڈاکٹر اقبال پر ایک مکمل تصنیف کی
ترتیب میں مصروف ہیں، ذیل میں اس کا ایک حصہ جس میں اقبال کے فلسفۂ خودی پر
تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے، پیش کیا جاتا ہے" "م"

خودی، اخیر دور میں ڈاکٹر صاحب کی شاعری کی شہرت اسی فلسفہ کی بدولت ہوئی، اور اس
کی تشریح ایک مضمون نگار نے اس طرح کی ہے،

"صوفی کہتے ہیں کہ چیونٹی بنو تاکہ لوگ تمھیں پاؤں کے نیچے روند کر زندان ہستی سے
نجات دلائیں، بھڑ نہ بنو کیونکہ اگر بھڑ بنو گے تو خواہ مخواہ کسی کو ڈنک مارو گے، وہ بیچارہ درد
سے چیخنے چلانے لگے گا، اور ممکن ہے کہ اس کی بددعا سے تم بلکہ بھڑوں کی تمام قوم قہر الٰہی کی مستوجب
بن جائے، بھیڑ بنو تاکہ لوگ تمھارے بالوں سے گرم کپڑے بنا کر موسم سرما کی شدت سے اپنے
تن بدن کو محفوظ کر سکیں، اور تمھارے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکیں، بھیڑیا نہ بنو، کیونکہ اگر
بھیڑیا بنو گے تو ناچار روزانہ کئی جانوروں کو ہلاک کرو گے، اور ان کی بددعائیں لو گے، مچھلی بنو

تاکہ آدمی تمھین پکڑ ملکر نگل لین، اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ پالین، نہنگ نہ ہو، ورنہ انسانون اور مچھلیون کی ہلاکت کا باعث ہوگے، اور یہ فعل نہایت قبیح ہے، وغیرہ وغیرہ"

علامہ اقبال کہتے ہین کہ چیونٹی نہ ہو ورنہ لوگ تمھیں پانون کے نیچے کچل کر مار ڈالین گے، پھر ہو اور جو کوئی سامنے آئے، اسے ڈنک مارو، بھیڑ نہ ہو، ورنہ لوگ تمھین مار کر کھا جائینگے، بھیڑیا ہو تاکہ جو کوئی ملے اُسے ہڑپ کر جاؤ، اور آدمی ملے تو اُسے چٹ کر جاؤ، شبنم کا قطرہ نہ ہو، شیر یا چیتا ہو، سانپ ہو، اژدہا ہو، عقاب ہو، شہباز ہو، الغرض اگر جمادی زندگی پسند ہو تو پتھر ہو تاکہ کسی کا سر توڑ سکو، حیوانی جامہ مین رہنا چاہو تو کسی قسم کا کوئی درندہ بن جاؤ تاکہ باقی جانورون کو چیر پھاڑ سکو، سست عناصر صوفیون کی باتین نہ سنو، وہ اپنی جان کے بھی دشمن ہین، اور تمھاری جان کے بھی؛[۱]"

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خودی کی نہایت غلط اور خطرناک تشریح ہے، نہ ہمارے صوفیہ ایسا کہتے، اور نہ ڈاکٹر صاحب انسانون کو موذی جانور بننے کی تعلیم دیتے، اُن کے فلسفہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اخلاقی فضائل کی دو قسمین ہین،

۱- ایک ایجابی، مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، عزم وثبات، وقار، صبر و سکون، مطالبۂ حق، جد و جہد، سعی و محنت وغیرہ وغیرہ،

۲- دوسری سلبی، مثلاً زہد و تقشف، توکل، قناعت، تواضع و خاکساری، عفو و درگذر، حلم و بردباری وغیرہ وغیرہ،

ہمارے صوفیہ نے فضائلِ اخلاق کی ان دونون قسمون مین سے صرف سلبی اخلاق کو اختیار کیا تھا، چنانچہ ایک صوفی کا قول ہے،

---

[۱] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۲۴۴، ۲۴۵،

"جو شخص شرف کے اعلیٰ درجہ کو پہنچنا چاہتا ہے، اوس کو سات چیزون کے مقابلہ مین سات چیزون کو اختیار کرنا چاہئے، یعنی (۱) احتیاج کو دولتمندی (۲) بھوک کو شکم سیری (۳) پستی کو بلندی (۴) ذلت کو عزت (۵) خاکساری کو غرور (۶) غم کو خوشی (۷) اور موت کو زندگی کے مقابلے مین،

نٹشے نے مسیحی اخلاق پر جو اعتراضات کئے ہین، وہ اسی دوسرے قسم کے سلبی اخلاق سے تعلق رکھتے ہین، لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ کی دوسری جلد مین لکھا ہے، کہ

"انکسار اور فروتنی کا وصف تمام تر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،..... اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے لازمی ہے، کہ قوم مین خودداری ہو، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا ہشل فوجی طرز زندگی کے اقتضا یہ ہے، کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی وخودداری موجود ہوتی ہے، لیکن اسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمح نظر تھا کسی طرح ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین، لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہو جاتا ہے"

ان دونون قسمون کے علاوہ اخلاق کی دو قسمین اور ہین،

۱- ایک انفرادی مثلاً تجرد اور عزلت گزینی وغیرہ،

۲- دوسرے اجتماعی مثلاً، دیانت، امانت، مہمان نوازی، حاجت برآری اور حسن معاشرت وغیرہ

ان دونون قسمون مین سے بھی ہمارے صوفیہ نے زیادہ تر انفرادی اخلاق اختیار کئے، اور

اجتماعی اخلاق مین زیادہ تران اخلاق کو انتخاب کیا جن کی بنیاد ضعف پر قائم ہے، مثلاً رحم واحسان ایک اجتماعی وصف ہے، اور اُن سے بڑے بڑے اجتماعی کام لئے جا سکتے ہین، مثلاً

۱- غلامون کی آزادی مین حصہ لینا، اوراس کے لئے جد وجہد کرنا،

۲- شفاخانے اور محتاج خانے کھولنا،

۳- مریضون کی خدمت وتیمارداری، اور مردون کی تجہیز وتکفین کرنا،

۴- قتل وخونریزی اور لوٹ مار سے ملک کی حفاظت کرنا،

۵- زمانۂ جنگ مین بادشاہون کے درمیان مصالحت کرواکے ملک کو جنگ کے نقصانات سے بچانا،

۶- حکام کو ظلم وتشدد سے روکنا،

۷- مجرمون کو رہا کرانا،

۸- یتیمون اور بیواؤن کی مدد کرنا،

۹- رفاہِ عام کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مثلاً بھولے ہوؤن کو راستہ دکھانا،

۱۰- غلط کار آدمیون کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتانا، بے روزگارون کو روزی سے لگانا، بلا کرایہ کشتی چلانا، یا سبیل لگانا وغیرہ وغیرہ،

لیکن عیسائی مذہب جو اپنے زہد وتقشف کی وجہ سے صوفیانہ روش سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس معاملہ مین ہمارے صوفیون سے بازی لے گیا ہے، اور بہت سے پادریون اور راہبون نے جیسا کہ تاریخ اخلاق یورپ مین بتفصیل مذکور ہے، یہ تمام اخلاقی خدمتین انجام دی ہین، لیکن ہمارے صوفیہ کے رحم وہمدردی مین اس قسم کی اخلاقی کوششون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، کیونکہ جب کسی مذہب مین رہبانیت کا عنصر زیادہ شامل ہو جاتا ہے، تو اس کے پیرؤون سے اس قسم کے اخلاقی فضائل سلب ہو جاتے ہین، عیسائی پادریون نے بھی اسی وقت یہ تمام خدمتین انجام دی تھین، جب ان پر رہبانیت کا بہت زیادہ غلبہ

نہین ہوا تھا، لیکن ہمارے صوفیون کے لطف واحسان کی صورت یہ تھی، کہ وہ جانورون کو آزار دینے سے اجتناب کرتے تھے، یہان تک کہ موذی جانورون کو بھی نہین ستاتے تھے، چنانچہ ملا عبدالرحمان جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین :-

"امیر چہ سفال فروش کژدم از دکان برداشتے وبہ بارہ بروے وآنجا گذاشتے، مردے وقت خوش گشت فرشتہ، خود را دید، وے را گفت چہ باید کرد تا کسے شمارا بہ بیند گفت ہیچ جانور را نباید آزرد آن مرد ہیچ جانور را نمی آزرد فرشتہ را می دید، روزے مورچہ وے را بگزید چیزے بروے زد مورچہ بخفت وپس ازان ہرگز فرشتہ را ندید"[1]

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین ہے کہ

"ہرکہ دو ماہ گاو ذبح کند یک خون کردہ باشد وہرکہ چہار مادہ گاو ذبح کند دو خون کردہ باشد وہرکہ دہ گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد"[2]

حدیثون مین بھی اگرچہ جانورون پر رحم کرنے کا حکم موجود ہے، لیکن موذی جانور اس سے مستثنیٰ ہین، اور جانورون کے ذبح کرنے کی کوئی ممانعت نہین، بہرحال ہمارے صوفیہ کا اخلاقی نظام زیادہ تر سلبی اور انفرادی فضائل تک محدود ہے، اور امام غزالی نے احیاء العلوم مین انہی اخلاقی فضائل سے بحث کی ہے، اس لئے جو لوگ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہین، وہ تو ان کی اخلاقی کتابون سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن مدبرین سیاست یعنی وزراء وسفراء کو اُن سے کوئی اخلاقی فائدہ نہین پہونچ سکتا، لیکن اسلام کا نظام اخلاق صرف انہی فضائل تک محدود نہین ہے، بلکہ اوس نے اپنی جامعیت کی بنا پر ایجابی، سلبی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان مین بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، اوس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ سب کے

---

[1] نفحات الانس بحوالہ آثر الکرام جلد اول ص ۱۳۱،

مواقع الگ الگ کردیئے ہین، مثلاً عام زندگی مین تواضع وخاکساری کی تعلیم اس طرح دی ہے،

ولا تمش فی الارض مرحًا ان اللہ	اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) خدا کسی
لا یحب کل مختال فخور (لقمان-۲)	اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا،

لیکن جہان خاکسارانہ روش اختیار کرنے سے انسان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، وہان اسلام نے قوت کے اظہار کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب صحابہ حجۃ الوداع کے لئے آئے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا اس لئے کفار نے طنزاً کہا کہ محمدؐ اوران کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانۂ کعبہ کا طواف نہین کرسکتے، اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا، کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کرین تاکہ مشرکون پر ان کی طاقت کا اظہار ہو، یہ سنت آج تک باقی ہے جس کو رمل کہتے ہین، اورجس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہین،

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد مین پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجاے کبر وغرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ وصدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم وفخر پر اترانا ناپسند[1]

حضرت ابودجانہؓ ایک نہایت بہادر صحابی تھے، وہ غزوۂ احد مین شریک ہوے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو ہاتھ مین لے کر فرمایا، کہ کون اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ بہت سے صحابہ آپ کی طرف بڑھے لیکن آپنے وہ تلوار کسی کو نہین دی، یہان تک کہ حضرت ابودجانہؓ اُٹھے اور کہا کہ اس کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دشمن پر اس کو اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہوجائے، بعض روایتون مین ہے کہ مسلمان پر اس کو نہ چلانا، اور کافر سے نہ بھاگنا، انھون نے کہا کہ مین اس کا حق ادا کرون گا، اب آپنے ان کو وہ تلوار عنایت فرمائی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب،

تلوار لے کر اکڑتے تنتے ہوے چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مغرورانہ چال دیکھی تو فرمایا، کہ اس موقع کے سوا خدا ہر جگہ اس چال کو ناپسند فرماتا ہے،[1]

اسلام نے عام طور پر اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے، کہ جو مسلمان لوگون سے میل جول پیدا کرتا ہے، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو برداشت کرلیتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگون سے میل جول نہین پیدا کرتا، اوران کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو نہین سہتا،[2] لیکن بعض حالتون مین انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے،

خیر مال المسلم غنم تتبع بھا	مسلمان کا بہترین مال وہ بکریان ہین
شعف الجبال ومواقع القطر	جن کو وہ پہاڑون کی چوٹیون اور
یفر بدینہ من الفتن[3]	شاداب مقامات پر چراتا ہے، اور اس
	طرح اپنے دین کو فتنون سے محفوظ
	رکھنے کے لئے اس کو لے بھاگتا ہے،

اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثین ہین، لیکن محدثین نے تصریح کردی ہے کہ اس قسم کی عزلت گزینی صرف اس حالت مین جائز ہے، جب ملک گیری کی ہوس مین باہم مسلمانون مین خانہ جنگی ہوجائے، اور ایک مسلمان اس کا فیصلہ نہ کرسکے کہ اس مین کونسا فریق حق پر ہے، یا یہ کہ وہ اس فتنہ کے ازالہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ورنہ عام حالات مین مسلمانون سے میل جول رکھنا، اخلاقی حیثیت سے افضل ہے، لیکن بہرحال، اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی وسعت ہر قسم کے ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو شامل ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اسی اسلامی نظام اخلاق کی تعلیم دی ہے، اوران کے مختلف محل ومواقع متعین کردیئے ہین،

[1] اسدالغابہ واصابہ تذکرہ حضرت ابودجانہؓ [2] ترمذی کتاب الزہد ص ۱۲ [3] بخاری کتاب الفتن،

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند　　ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند　　بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند

بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر　　بروز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است　　اے کہ در قافلہ بے ہمہ شو با ہمہ رو

تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ　　آنچنان زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پرتو

مصاف زندگی مین سیرت فولاد پیدا کر　　شبستان محبت مین حریر و پرنیان ہوجا

گذر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیابان سے　　گلستان راہ مین آئے تو جوئے نغمہ خوان ہوجا

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت　　یہ چار عناصر ہون تو بنتا ہے مسلمان

جس سے جگر لالہ مین ٹھنڈک ہو وہ شبنم　　دریاؤن کے دل جس سے دہل جائین وہ طوفان

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ　　مقصود سمجھ میرے نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانون کو سلامت　　دے ان کو سبق خود شکنی خودنگری کا

ہو حلقۂ یاران تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن یہ اسلامی نظام اخلاق صرف اُس وقت قائم ہوسکتا ہے، جب انسان کو اپنی خودی کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہوجائے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے خودی کو اپنی شاعری کا ایک مستقل موضوع قرار دیا ہے، اور مثنوی اسرار خودی مین سادہ طور پر اس کی حقیقت بتائی ہے، لیکن اثبات خودی کے تمام مقدمات اس مین مذکور نہین ہین، اس لئے ہم ان کے پورے مجموعۂ کلام سے ان تمام مقدمات کو اخذ کرکے اس موقع پر درج کرتے ہین،

(۱) خودی اثبات خودی کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان مین پہلا مقدمہ خود خودی ہے، یعنی یہ کہ خود خودی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ مقدمہ بدیہی ہے، اور خود انسان کے اندر سے ایک آواز آتی ہے، کہ "مین ہون"

من از بود و نبود خود خموشم　　اگر گویم کہ ہستم خود پرستم

ولیکن این نوائے سادہ کیست؟　　کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

قدیم فلاسفہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ انسان پر بہت سے حالات ایسے گذرتے ہین، کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا لیکن باوجود اس کے وہ یہ جانتا ہے کہ "مین ہون" اور اس سے انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ، روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے، ابھی ہم کو اس سے بحث نہین، کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بہرحال فلاسفہ قدیم بھی اس مسئلہ مین ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہین، کہ مین یا "انا" کا وجود بدیہی ہے،

ڈاکٹر صاحب نے خودی کے وجود پر ایک فلسفیانہ استدلال بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز مین شک کیا جاسکتا ہے،

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست　　زمین و آسمان و کاخ و کو نیست

توان گفتن کہ خوابے یا فسونے است　　حجاب چہرۂ آن بیچگونیست

توان گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است　　فریب پردہاے چشم و گوش است

لیکن بااین ہمہ جو چیز دنیا کی تمام چیزون مین شک کرتی ہے، اس کا وجود یقینی ہے، شک کے معنی سوچنے کے ہین، اور سوچنے کے معنی ہونے کے ہین، لیکن مین سوچتا ہون اس لئے مین ہون، اب

اگر گوئی کہ من وہم و گمان است　　نمودش چون نمود این و آن است

بگو با من کہ دارائے گمان کیست؟　　یکے در خود نگر آن بے نشان کیست؟

خودی پنہان ز حجت بے نیاز است　　یکے اندیش و دریاب این چہ راز است

خودی را حق بدان باطل مپندار　　خودی را کشت بے حاصل مپندار[1]

---

[1] ماخوذ از زبور عجم ص ۱۰۹-۱۱۰،

لیکن یہ خودی بذاتِ خود پیدا نہین ہوئی ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے،

خودی را از وجودِ حق وجودے خودی را از نمودِ حق نمودے
نمیدانم کہ این تابندہ گوہر کجا بودے اگر دریا نبودے

اس موقع پر خدا کی ذات کے لئے انھون نے وہی دریا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو صوفی شعرا عام طور پر استعمال کرتے ہین لیکن صوفیون سے اس مسئلہ مین الگ ہوگئے ہین کہ انسان اس دریا کا ایک قطرہ ہے بلکہ اس کو گوہر تابندہ قرار دیا ہی تاکہ خدا کی عظمت وشان کے ساتھ انسان کی خودداری بھی قائم رہے، دریا اور گوہر دونون لازم وملزوم ہین، اس لئے انسانی خودی کا وجود خدا کے بغیر ہو ہی نہین سکتا،

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

ز من گو صوفیانِ با صفا را خدا جویانِ معنی آشنا را
غلامِ ہمتِ آن خود پرستم کہ از نورِ خودی بیند خدا را

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی؟ کہ او پیداست تو زیرِ نقابی
تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی جز او نیابی

لیکن باوجود اس احتیاج وارتباط کے وہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل نہین، بلکہ اُن کے نزدیک انسانی خودی خدا کی ذات سے بالکل الگ ایک مستقل چیز ہے،

خودی روشن ز نورِ کبریائی است رسائی ہائے او از نارسائی است
جدائی از مقاماتِ وصالش وصالش از مقاماتِ جدائی است

وصالِ ما وصال اندر فراق است کشود این گرہ غیر از نظر نیست
گہر گم گشتۂ آغوشِ دریاست ولیکن آب بحر آبِ گہر نیست

اور اوس کو اپنی انفرادی استقلال کے ساتھ قائم رہنا چاہئے، صوفیہ کہتے ہین، کہ اس کو

ذاتِ خداوندی مین جذب ہوجانا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عمدہ شاعرانہ تشبیہ کے ذریعہ سے یہ ثابت کرتے ہین کہ خودی کو بذاتِ خود قائم رہ کر اپنے فطری اقتضاءات کو پورا کرنا چاہئے، اگر وہ شبنم کا قطرہ ہے، تو اوس کو پھولون کی پنکھڑیون پر گرنا چاہئے، سمندر مین گرکر موتی نہین بننا چاہئے، اس مضمون کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین، کہ لوگون نے شبنم سے صوفیانہ لہجہ مین کہا،

گفتند فرودِ آے ز اوجِ مہ و پرویز بر خود زن و با بحرِ پر آشوب بیامیز
با موجِ در آویز
نقشِ دگر انگیز
تابندہ گہر خیز

لیکن شبنم نے جواب دیا،

من عیشِ ہم آغوشیِ دریا نخریدم آن بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
از خود نہ رمیدم
ز آفاق بریدم
بر لالہ چکیدم

انسانی خودی کے علاوہ کائنات کی بھی ایک خودی ہے،

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی ہر ذرہ شہیدِ کبریائی

اور اجزاے کائنات کی خودی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھنا، اوبھرنا، نشو ونما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتون کو روبہ کار لانا چاہتی ہے،

چہ لذت یارب اندر ہست و بود است دلِ ہر ذرہ در جوشِ نمود است
شگافد شاخ را چون غنچۂ گل تبسم ریز از ذوقِ وجود است

بگردون فکر تو دارد رسائی ولے از خویشتن نا آشنائی

یکے بر خود کشا چون دانہ چشمے کہ از زیر زمین نخلے بر آئی

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا تو ہی آمادۂ ظہور نہین

کائنات کی خودی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گرد وپیش کی چیزون کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے،

من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک چون بگیری رنگ و بو از باد و خاک

گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش چون پیامے گیری از برق خموش

جان بتن مارا ز جذب این و آن جذب تو پیدا و جذب ما نہان

۲- شرفِ انسان اثباتِ خودی کا یہ دوسرا مقدمہ ہے، ہمارے صوفیہ بھی انسان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن ان کے نزدیک نفسِ انسانیت اس فضیلت کا سبب نہین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا پرتو ہے،

دانۂ دو جہان و مردۂ و زندۂ آن از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را

ما پرتو نور بادشاہ ازلیم فرزند نہ ایم آدم و حوا را

لیکن ڈاکٹر صاحب انسان کو خدا سے الگ جیسا کہ ہم پہلے مقدمہ مین بیان کر چکے ہین ایک مستقل ہستی مانتے ہین اس لئے اُن کے نزدیک اس کو جو شرف حاصل ہو وہ محض انسانیت کی وجہ سے ہے، اور انسانی فضیلت کا یہی بلند درجہ ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

(۱) انسان کو تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے،

عالمِ آب و خاک و باد سرِّ عیان ہے تو کہ مین وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان ہے تو کہ مین

تو کفِ خاک و بے بصر مین کفِ خاک خود نگر کشتِ وجود کے لئے آبِ روان ہے تو کہ مین

(۲) وہ فرشتون پر بھی فضیلت رکھتا ہے، فرشتے اگرچہ آسمان سے بھی پرے رہتے ہین، لیکن ان کی نگاہ بھی انسان ہی کا نظارہ کرتی ہے،

فرشتہ گرچہ برون از طلسم افلاک است

نگاہ او بہ تماشائے این کفِ خاک است

اور انسان کو ان پر جو فضیلت ہے وہ خودی کی وجہ سے ہے

بہ نوریان ز من پا بگل پیامے گوے

حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگراست

(۳) انسان کا وجود ایک لازوال چیز ہے، زمانہ کی گردش اس کو فرسودہ نہین کر سکتی،

لحد مین بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

مہ و ستارہ مثالِ شرارہ یک دو نفس مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

(۴) انسان خدا کا اصلی مقصد ہے، اور وہ اس کی تلاش مین سرگردان رہتا ہے، اس مضمون کو ڈاکٹر صاحب نے سادہ طور پر یون بیان کیا تھا،

خدا ہم در تلاش آدمے ہست

لیکن ایک مسلسل غزل مین ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو نہایت لطیف شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے، صوفی کہتے ہین کہ ہر چیز مین خدا کا نور جلوہ گر ہے اور ہم کو ہر چیز مین اس کے جلوہ کو دیکھنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہین، لیکن الٹ کر کہتے ہین کہ خدا ہر چیز مین اس لئے جلوہ گر ہوتا ہے، کہ انسان کو اس مین تلاش کرے،

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو است چون ما نیاز مند و گرفتار آرزو است

گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش گاہے درونِ سینۂ مرغان بہا و ہوست

در نرگس آرمید کہ بیند جمالِ ما چندان کرشمہ دان کہ نگاہش بگفتگوست

آہے سحرگہے کہ زند در فراقِ ما بیرون و اندرون زبر و زیر و چارسو است

ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکیے نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست

پنہان بذرہ ذرہ و ناآشنا ہنوز پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کوست

در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است این گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

غرض یہ وہ بلند رتبہ ہستی ہے، کہ جب پیدا ہوئی تو عالم مین زلزلہ آگیا، اور زمین سے آسمان تک ایک غلغلہ برپا ہو گیا،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

خبرے رفت ز گردون بہ شبستانِ ازل حذر اے پردگیان پردہ درے پیدا شد

آرزو بیخبر از خویش بآغوش حیات چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور خودگرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد

(۳) تسخیر فطرت اثبات خودی کا یہ تیسرا مقدمہ ہے، اور پہلے دونون مقدمات کا تتمہ بلکہ نتیجہ ہے، پہلے مقدمہ مین یہ ثابت ہو چکا ہے، کہ کائنات کی خودی اپنے گرد و پیش کی چیزون کو جذب کرتی ہے، اور انسان بھی چونکہ کائنات ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس مین بھی قدرتی طور پر یہ قوتِ جاذبہ موجود ہے، لیکن چونکہ وہ کائنات مین جیسا کہ دوسرے مقدمہ مین ثابت کیا گیا ہے، سب سے بلند تر ہستی ہے اس لئے اس مین یہ قوت اور بھی کامل ترین طریقہ سے پائی جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے گرد و پیش ہی کو نہین، بلکہ تمام دنیا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے،

خودی کی جلوتون مین مصطفائی خودی کی خلوتون مین کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد مین ہے ساری خدائی

جس بندۂ حق بین کی خودی ہو گئی بیدار شمشیر کے مانند ہے برّندہ و برّاق

اوس مرد خدا سے کوئی نسبت نہین تجھکو تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن نباید از حضور خود رمیدن

نگہ دید و خرد پیمانہ آورد کہ پیماید جہانِ چار سو را

بہ آشامے کہ دل گردد ندیمش بجوئیش اندر کشید این رنگ و بو را

کمالِ زندگی خواہی؟ بیاموز کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن

فرو بردن جہان را چون دمِ آب طلسم زیر و بالا در شکستن

جہانِ رنگ و بو دانی و لے دل چیست میدانی مہے کز حلقۂ آفاق سازد گرد خود ہالہ

لیکن اس قسم کی مکمل خودی صرف اسلام پیدا کر سکتا ہے، اس لئے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق مین گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس مین ہین آفاق

اسی جاذبیت کا دوسرا نام تسخیر فطرت ہے، اور اس کی مختلف صورتین ہین،

(۱) ایک صورت تو وہ ہے جس مین انسان کی جد و جہد کو کوئی دخل نہین ہے، بلکہ خود خداوند تعالے نے قدرت کی تمام بڑی بڑی طاقتون کو انسان کا مسخر اور فرمانبردار بنا دیا ہے، اور ان کے ذریعہ سے انسان پر اپنا احسان جتایا ہے سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور اس قسم کی دوسری آیتون مین تسخیر کی یہی صورت مذکور ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادہ طور پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے،

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے جہان ہے تیرے لئے تو نہین جہان کے لئے

لیکن اس مضمون کو ایک مستقل نظم مین جس کی سُرخی روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے نہایت

پرجوش شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے،

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں

یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کر اثر آہ رسا دیکھ

۲- دوسری صورت وہ ہے جس میں انسان اپنی جسمانی قوت اور سعی و محنت کے ذریعہ سے فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتا ہے، اور اس نظم کے آخری دو بندوں میں اسی طرف اشارہ ہے،

خورشید جہان تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہان تیرے ہنر میں

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنس محبت کا خریدار ازل سے

تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے

ہے راکب تقدیر جہان تیری رضا دیکھ

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس میں انسان اپنی عقلی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے،

عقل بدام آورد فطرت چالاک را

اہرمن شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر عقل کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے وہ عقل مراد ہے، جو محض خیالی پلاؤ پکا کر قوت عمل کو ضعیف کرتی ہے،

من آن علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

بہر نرخے کہ این کالا بگیری سود مندافتد
بزور بازوے حیدر بدہ ادراک رازی را

لیکن جو عقل قوت عمل کو تیز کرتی ہو، ڈاکٹر صاحب اسکے مخالف نہیں، بلکہ موید ہیں، یعنی وہ فلسفہ کے مخالف ہیں، سائنس کے نہیں، چنانچہ شاہ امان اللہ خان کو اس کی طرف اس طرح توجہ دلاتے ہیں،

زندگی جہد است و استحقاق نیست
جز بعلم انفس و آفاق نیست

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا این خیر را بینی بگیر

سید کل صاحب ام الکتاب
پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رب زدنی از زبان او چکید

علم اشیاء علم الاسماستے
ہم عصا و ہم ید بیضاستے

علم اشیاء داد مغرب را فروغ
حکمت او ماست می بندد ز دوغ

جان ما را لذت احساس نیست
خاک رہ جز ریزۂ الماس نیست

علم و دولت نظم کار ملت است
علم و دولت اعتبار ملت است

آن یکے از سینۂ احرار گیر
وان دگر از سینۂ کہسار گیر

دشنہ زن در پیکر این کائنات
در شکم دارد گہر چون سومنات

لعل ناب اندر بدخشان تو ہست
برق سینا در قہستان تو ہست

(۴) چوتھی صورت وہ ہے جس مین انسان روحانی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے، اور یہ صرف اولیاء و انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ قوت نہ جسمانی طاقت سے پیدا ہوتی، نہ عقل و علم سے حاصل ہوتی، بلکہ صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے۔

از محبت چون خودی محکم شود — قوتش فرمانده عالم شود

پنجۂ او پنجۂ حق می شود — ماه از انگشت او شق می شود

۴۔ مسئلۂ خیر و شر، اثبات خودی کا یہ چوتھا مقدمہ ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حکمائے اسلام کے نظریات یہ ہین،

۱۔ خیر ایجابی اور شر ایک سلبی چیز ہے، یعنی دنیا مین خیر کا وجود تو ہے، لیکن شر کا وجود نہین،

۲۔ خیر شر پر غالب ہے اور خیر کی تعداد و مقدار شر سے زیادہ ہے، دنیا مین اگرچہ مرض کا وجود ہے، لیکن صحت اس سے زیادہ پائی جاتی ہے، دنیا اگرچہ رنج و غم سے خالی نہین لیکن خوشی اور مسرت کا وجود ان سے زیادہ ہے لیکن اس کے بالکل برعکس محمد بن زکریا رازی کے نزدیک شر وجودی اور خیر سلبی ہے یعنی لطف و مسرت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہین ہے، کہ رنج و الم زائل ہو جائین، کھانے پینے کی لذت کے معنی صرف یہ ہین، کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات مل گئی، یہی حال اور تمام لذتون کا ہے، کہ وہ کسی نہ کسی تکلیف اور رنج و الم کا ازالہ ہین، اور شوپنہار کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ دنیا مین واقعی جو چیزین موجود بالذات ہین، وہ دکھ مصیبت اور حاجت ہین، ان سے کبھی وقتی طور پر چھٹکارا مل جایا کرتا ہے، تو اسی مہلت کا نام انسان نے خوشی یا مسرت رکھ چھوڑا ہے[1] وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ درد و الم ایجابی ہین، اور لذت و مسرت محض سلبی، مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پہلے پائی جاتی ہے، جون ہی خواہش کی تشفی ہو جاتی ہے، لذت موقوف ہو جاتی ہے، لہذا تشفی یا مسرت دراصل کسی احتیاج یا درد سے نجات پالینا ہے[2] اس بنا پر

۱ قنوطیت شوپنہار ص ۱۰، ۲ قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس ص ۴،

کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب مین شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر یہی شر ہے، تمام چیزین شر ہین، یعنی جو بھی چیز وجود رکھتی ہے، وہ شر ہے[1] امام رازی نے بھی زکریا رازی کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر جو چیز دنیا مین پائی جاتی ہے، وہ یا تو رنج و الم ہے، یا رنج و الم کا ازالہ ہے، ان مین بعض آلام تو نہایت قوی ہوتے ہین، مثلاً امراض، اور بعض ضعیف جن سے انسان کو کسی حالت مین نجات نہین مل سکتی، مثلاً غم و فکر، خوف و اندیشہ، غصہ و ندامت، دزدی، اور کاروبار کی فکر، بد بو، ناگوار چیزون کا دیکھنا، مکھی مچھر اور کھٹملون کی تکلیفین جن کا کوئی شمار نہین کیا جا سکتا، اس سے حکماء کے دونون پہلے نظریے غلط ثابت ہوتے ہین، نہ دنیا مین خیر کا وجود ہے، نہ خیر شر پر غالب ہے، بلکہ اس کے برخلاف رنج و الم کو لذتون پر غلبہ حاصل ہے، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ، — ہم نے انسان کو تکلیف مین پیدا کیا،

اور تفسیر کبیر مین امام صاحب کی رائے کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے، کہ اس دنیا مین کوئی لذت نہین ہے، بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے، وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے، کھانے اور پہننے کی لذت، بھوک، سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے، اس لئے انسان کے لئے صرف دو چیزین ہین، یا تکلیف یا تکلیف سے بچنا، اور اس آیت کے یہی معنی ہین، اس بنا پر تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہین ہے، کیونکہ لذت کا وجود ہی نہین ہے، بلکہ صبر و استقلال کے ساتھ تکلیفون کا مقابلہ کرنا اور دوسرون کو تکلیفون سے نجات دلانا ہے، اور اس پوری سورہ مین تخلیق انسانی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے،

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ — کیا ہم نے انسان کو دو آنکھین اور زبان

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ — اور دو ہونٹھ نہین دیئے، اور اس کو (نیکی

مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ، أَوْ إِطْعَامٌ — بدی) کے دونون رستے (بھی) دکھا دیئے،

فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ، يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ — پھر بھی وہ گھاٹی ٹھوکر نہین نکلا اور آپ خبر

۱ قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از میر ولی الدین ص ۲،

أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ، ثُمَّ كَانَ
مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ،

(بلد - ۱)

تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا مراد ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی (گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوکھ کے دن یتیم کو (خاص کر جب وہ اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہیے تھا کہ اس گھاٹی مین سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگون کے (زمرے) مین ہوتا، جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے، اور نیز ایک دوسرے کو (خلق خدا) پر رحم کرنے کی

اسی مقصد کو فلسفیانہ طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہین، بلکہ انسانی شخصیت کا تحقق و کمال ہے، جو کائنات کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہو لیکن ایسی دنیا کا تصور ناممکن ہے، جہان روح مین ترقی و تکمیل پاکر شخصیت کا تحقق تو کر سکین لیکن جہان نہ درد و غم ہو اور نہ رنج و تعب، نہ حزن و ابتلا ہو، اور نہ آزمائش و بلا، غیر تشفی خواہشات ان کی سوزش و تکلیف، امراض و قوائے فطری کی کورانہ بے رخی سے پیدا ہونے والی عذاب ناک؛ زمینی آسمانی بلائین و آفتین، یہ سب محرکات ہین، جو انسان کے صبر و ہمت کو آزماتے ہین، اوس کو مصائب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہین، بھوکھ، جنسی محبت، پدری شفقت اجتماعی و اکتسابی جبلتون کے بغیر جو انسان کے سینون مین تشفی کے لئے موجزن ہوتے ہین، انسان نہ فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے،

اور نہ شخصیت کا تحقق کر سکتا ہے، اوس کی ابتدائی اشتہاءات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتی ہین، اور محنت و مشقت سے سائنس کے اور راحت کے سامان پیدا ہوتے ہین، اور یہ فطرت پر زیادہ غلبہ کا باعث ہوتے ہین، اور یہی فن ادب، سائنس اور حیات معاشری کے لطیف اغراض و غایات کے نشو و نما و تشفی کا سبب بنتے ہین، اس کی خواہشات اوس کو خاندان و جماعت کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہین، ہماری اور خشکی، سمندر اور ہوا کی معاندانہ قوتون کا مقابلہ اس کی فکر و عمل اور معاشری اشتراک کی قوتون کو ترقی دیتا ہے، ہماری مشترکہ قسمت گو صبر و عمل کے دائرے سے بھی باہر کیون نہ ہو، دوستی و محبت کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے، اس طرح انسان ظاہراً شکست سے فتحمندی حاصل کرتا ہے، ان قوتون پر غلبہ و تسلط پاتا ہے، جو اس کے خلاف بر سر جنگ نظر آتی ہین،[1]

(باقی)

---

[1] تنوطیت از میر ولی الدین ص ۷۰، ۷۱،

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ ر تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۲)

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لوخشع قلبه لخشعت جوارحه[۱] — اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

والله لا يخفى علي ركوعكم وخشوعكم[۲] — خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع و خشوع پوشیدہ نہیں ہے،

---

۱ روح المعانی ۲ بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ،

مسند احمد بن حنبل میں فضیل ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے، جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا،

الصلوٰة مثنى مثنى تشهد في كل ركعتين وتضرع وتخشع وتمسكن ثم تقنع يديك الى ربك ..... تقول يارب يارب فمن لم يفعل ذلك فقال فيه قولا شديدا[۲]

رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو، پھر چاہئے کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ و زاری خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب سے ہاتھ اٹھا کر کہو اے میرے رب، اے میرے پروردگار، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بڑی سخت وعید فرمائی ہے،

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ تخشع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو، تو بہ تکلف اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہئے[۳]

ایک حدیث میں ہے،

لاصلوٰة لمن لم يتخشع[۴] — جو شخص نماز میں بہ تکلف بھی خشوع پیدا نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب دلوں سے جو پہلی چیز اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے[۵]

دوسری روایت میں ہے:

اول شيء يرفع من هذه الامة — اس امت سے پہلی چیز جو سلب کیجائے گی

---

۱ اس سے مراد رات کی نماز ہے، جیسا کہ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے ۲ مسند فضیل بن عباس ترمذی باب التخشع ۳ الفتح الربانی تبویب مسند احمد ۴ مسند الفردوس ۵ الجامع الصغیر

الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعا — وہ خشوع کی دولت ہے،

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع[1] — اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ چاہتا ہوں،

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے،

خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی، — اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں، دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب و تاکید فرماتے، اور صحابہ کو اس کے سلب ہوجانے سے خوف دلایا کرتے تھے، اور بغیر خشوع قلب کی نماز سے پناہ مانگا کرتے تھے،

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے، کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب، فلاح و سعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ عذاب و عتاب کے،

صحابہ اور خشوع قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے سرنیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اُسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا، صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا، زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا، اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہئے، کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع

۱؎ ترمذی، نسائی، الجامع الصغیر

کی کہاں تک کارفرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے کیا کیا نقش چھوڑے ہیں،

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے، جو بے حس و حرکت کھڑا ہے، اس حالت کو دیکھکر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذالک الخشوع[1] — اسی کو خشوع کہا جاتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے، جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے، "کانہ ثوب ملقی"

انہی کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوٰۃ نغض فیھا صوتہ ویدہ وبصرہ، — جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن، آواز، آنکھ ہر چیز سے تواضع و خشوع کا اظہار ہوتا تھا،

حضرت عامر بن عبداللہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں، مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی[2]،

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ

اول ما تفقدون من دینکم الخشوع وآخر ما تفقدون من الصلاۃ — تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے، اور سب سے آخر میں نماز

۱؎ فتح الباری ص ۱۰۲، ۲؎ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۳۶

وتنتقض عرى الاسلام عروة عروة[1]	کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہوجائینگی،

ایک دوسری روایت میں ہے،

ورب مصل لاخیر فیه اوشك ان تدخل مسجد الجماعة فلاترى فیه خاشعًا	بہت سے نمازیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور قریب ہی ایک زمانہ آئے گا کہ تم مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھو گے اور پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ملیگا[2]

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت میں اس کے بال سفید ہوگئے ہیں، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہیں پڑھی، لوگوں پوچھا یہ کیسے؟ آپنے فرمایا:۔

لایتم خشوعها وتواضعها واقباله علی الله عزوجل فیها،[3]	وہ نماز میں خشوع وخضوع پورے طور سے پیدا نہیں کرتا، اور نہ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مبذول رکھتا ہے،

خشوع کا تعلق قلب سے ہے

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہیں، صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے،

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، آپنے فرمایا کہ

یاصاحب الرقبة ارفع رقبتك	اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا،
لیس الخشوع فی الرقاب وانما الخشوع فی القلوب[4]،	خشوع گردن کے اندر نہیں ہے، بلکہ وہ دل میں ہوتا ہے،

[1] حاکم اور احمد نے روایت کی ہے، [2] روح المعانی تفسیر سورۂ مؤمنون [3] احیاء العلوم ص ۲۷ جلد ۱ [4] مدارج السالکین جلد ۱ ص ۲۵۵

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے، اس میں تواضع خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئے، گردن وجسم کے جھکانے اور توڑنے مروڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ بیماروں کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "ناسک" اور زاہد کہے جاتے ہیں، آپنے فرمایا:۔

کان عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع	عمر بن خطابؓ جب چلتے تھے، تو تیز چلتے تھے،
واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع	جب بولتے تو بلند آواز کہ سامع سن لے اگر کسی کو سزا دیتے تھے، تو سخت سزا دیتے تھے
واذا اطعم اشبع وکان هو الناسك حقًا،[1]	اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھانا کھلاتے تھے، اور وہ یقینًا ناسک تھے،

خشوع نفاق

اگر کسی شخص کے قلب میں خشوع نہ پیدا ہو، اور محض اپنے اعضاء وجسم سے صرف دیا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو، تو احادیث وآثار میں ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا بالله من خشوع النفاق،[2]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپنے ارشاد فرمایا،

خشوع البدن ونفاق القلب[3]	بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب میں اس کیفیت کا نام نہ ہو

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپنے فرمایا:۔

[1] مدارج السالکین جلد ۱ ص ۲۵۵ [2] در منثور تفسیر سورۂ مومنون [3] ایضًا

ان تری الجسد خاشعا والقلب تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار

لیس بخاشع[1] ہو رہا ہے مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

حضرت ابو درداؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپنے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا،

استعیذوا باللہ من خشوع النفاق[2] خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضلیت سے تھا، آیندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں، کہ ان کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپنے یہ الفاظ فرمائے،

لا یلتفت احدکم فی صلاتہ نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ

فان کان لا بد بہ فاعلا ففی نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر

غیر ما افترض اللہ تعالی علیہ غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا

و ترک العبث بشیا و تلی میں بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی

جسدہ وانکاد منا فاتہ للخشوع چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرے

مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتداءً نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی،

الذین ھم فی صلاتھم خاشعون، جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[1] در منثور تفسیر سورۂ مومنون [2] مدارج السالکین [3] روح المعانی در منثور،

اس کے بعد سے آپ اور صحابہ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا کمر پہ ہاتھ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا

کنفک للمرء المسلم ولا تلتفت مظہر یہ بھی ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان

فی صلاتک، کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز میں ادھر ادھر

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا، کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضاء پر سکون کی کیفیت طاری کرنا یہ سب اس کے مظاہر ہیں،

ام رومان فرماتی ہیں، کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کونچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا،

سمعت رسول اللہ صلی اللہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ

علیہ وسلم اذا قام احدکم آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے

فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لا یمیل کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضاء کو پر سکون

تمیل الیھود فان سکون الاطراف رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر

فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ، مائل نہ ہو اس لئے کہ سکون اعضاء تکمیلات

نماز میں سے ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

انی احب لک ما احب لنفسی	مین جو اپنے لئے پسند کرتا ہون، وہ
لا تفرقع اصابعک و انت	تمھارے لئے بھی پسند کرتا ہون، نماز
تصلی،	مین اپنی انگلیان نہ چٹخایا کرو،

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہین :-

لان فیہ ترک الخشوع،	اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے،

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء و جوارح سے اسی قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء و جوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز مین سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور مین عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظر نیچی، اعضاء پرسکون و سکوت، غرضیکہ سارے بدن سے ذلت و مسکنت، عاجزی و خاکساری کے آثار نمایان ہونے چاہئین، عرض حاجت کے وقت تضرع و زاری اور التجا کا پیکر بن جا ؤ، رو ئے، گڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو، تو وہ بہ تکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے،

علماء و صوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر | اوپر قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، آیندہ یہ دیکھنا ہے کہ علماء و صوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے | صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ، اور ہر لمحۂ حیات سے ہے، تسلیم و رضا، انابت و خشیت، عاجزی و انکساری، تواضع و تذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے، وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہئے، اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبوی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہین،

رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتخشع	مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ
فی الجلسۃ ارعدت من الفرق (شمائل ترمذی)	گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی مین نہین ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر ہر لمحہ سے ہے، صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث و آثار مین کان خاشعًا علیہ اثر الخشوع، وغیرہ کا جو لفظ آتا ہے اس سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے، حضرت عبد اللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابوہریرہ رض صحابی بیان فرماتے ہین، کہ مین مدینہ آیا، تو عبد اللہ بن سلام رض کو دیکھا، کہ وہ مجلس مین بہت ہی تواضع و انکساری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابوہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہین، جالسًا فی حلقۃ متخشعًا علیہ سیما الخیر[1]

حضرت علی الذین ھم فی صلاتھم خاشعون کی تفسیر مین فرماتے ہین،

ھو الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع یہ ہے کہ قلب مین خوف و خشیت،
کنفک للمرء المسلم وان لا	اور مسلمانون سے نرم خوئی رکھو، اور اس کا
تلتفت فی الصلوٰۃ،	ایک گوشہ یہ ہو کہ) نماز مین ادھر ادھر نہ دیکھو

صوفیہ کرام نے جو اس صفت کے عملی نمونہ ہین، خشوع کی اصلی روح کو سمجھ کر اس کی ایسی تعبیر کی ہے کہ اس کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے، لیکن چونکہ اس کا اصلی محور نماز ہی ہے، اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کے بعد ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کی تشریح بھی اسی کے ضمن مین ہوتی ہے،

اس لئے یہ بات ذہن مین رکھنی چاہئے، کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا کھا کر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہین ہو سکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازون مین یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے

---

[1] اصابہ ذکر عبد اللہ بن سلام، [2] وہ اپنی نمازون مین خشوع رکھتے ہین،

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہو گی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علماء و صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کیجاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ و مایلزم فیہا مین تحریر فرماتے ہین :-

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد ان یقبل بخوف ووجل وخشوع وخضوع،

جب کوئی شخص مسجد مین آنے کا ارادہ کرے تو اُسے چاہئے کہ خوف وخشیت، تواضع وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ مین دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہین،

ان العبد اذا خرج من منزلہ یرید المسجد انما یاتی الجبار الواحد القھار العزیز وان کان لا یغیب عن اللہ حیث کان ولا یعزب عنہ تبارک وتعالی مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر من ذالک ولا اکبر فی الارضین السبع ولا فی السموات السبع،... وانما یاتی بیتاً من بیوت اللہ یجب ان یرفع ویذکر فیھا اسمہٗ ...... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث

جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ جہان بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہین ہوسکتا۔ اور نہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی یا چھوٹی چیز اس کی قدرت وعلم سے باہر ہوسکتی ہے، .... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ) وہ اللہ کے گھرون مین سے ایک گھر مین آرہا ہے، جس مین ضروری ہے، کہ اسی کا ذکر اور اسی کا چرچا کیا جائے، (جب وہ ایسے پرعظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسہ تفکرا وادبا غیر ما کان فیہ قبل ذلک ...... ولیخرج بوقار فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بذ الک .... فانہ کل من تواضع للہ عز وجل وخشع وخضع وذل للہ عز وجل کان اذکی لصلاتہ واحری لقبولھا،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل و دماغ کو دنیاوی تفکرات سے جس مین وہ اس سے پہلے پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادون اور اپنی توجہات کو اس ذات قدسی کے صفات وکمال مین لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہان پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی خشوع وخضوع کے ساتھ اس دربار مین حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر اور قبولیت سے قریب ہوگی،

...... فاذا قام احدکم فی صلاتہ فلیعرف اللہ عز وجل فی قلبہ بکثرۃ نعمہ علیہ واحسانہ الیہ وان اللہ عز وجل قد وقرہ نعماً واثقہ اوقر نفسہ ذنوباً فلیبالغ فی الخشوع والخضوع للہ عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالی نے بڑا احسان واکرام سے اُسکو سرتاپا ڈھانک لیا ہے، اور اس نے ہر نعمت سے اسکو نوازا ہے گو اس نے گناہون سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونون پہلوون پر نظر ڈالتے ہی اُسے خشوع وخضوع، تواضع وانکسار کا پیکر بن کر اوس سے مغفرت طلب کرنا چاہئے،

وقد جاء الحديث ان الله اوحى الى عيسى بن مريم اذا قمت بين يدي فقم مقام الحقير الذليل الذام لنفسه فانها اولى بالذم فاذا دعوتني فادعني واعضاؤك[1] تنتقض وقد جاء الحديث ان الله اوحى الى موسى نحو ذالك،

حدیث مین آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے طور پر حقیر و ذلیل سمجھو، اور جب مجھ سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت ہو جائین، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایک حدیث مین آیا ہے،

(باقی)

---

[1] ص ۱۴ و ص ۱۵،

ہندوستان مین علم حدیث

از

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۳)

اب تک صرف تشبیب تھی، ہندوستان مین علم حدیث بسلسلۂ امام شوکانی کے اس عنوان پر جس کی تجدید عزیز فاضل مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف فیروزپوری نے (اہل حدیث امرتسر، ۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء ص ۹) فرمائی، مفادیہ ہے کہ ہندوستان مین امام شوکانی کے تلامذہ بلا فصل مین مولٰنا منصور الرحمٰن صاحب دہلوی کا نام ہے، یہ مولوی عبد الوہاب دہلوی (م ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) کے اجازہ حدیث مین آتا ہے، اس کی تحقیق مقصود ہے،

مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی (گجراتی) نے اپنے والد مولانا محمد ہاشم (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کا اجازہ مولانا منصور الرحمان بن شیخ عبد اللہ بن الشیخ نواب جمال الدین انصاری دہلوی (متوطن ڈھاکہ) سے ثبت فرمایا ہے، (اہل حدیث ۱۲ر اپریل ۱۹۴۶ء ص ۰) متضمن بہ تذکرہ تلمذ شاہ عبد الحی بڈھانوی (م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۸ء)[1] امام شوکانی کے ہندوستان مین بلا واسطہ شاگرد یہ اصحاب ثلاثہ ہوئے، یعنی شیخ عبد الحق بنارسی مولانا منصور الرحمٰن

---

[1] اس کی توثیق نواب والاجاہ یون فرماتے ہین: "...... والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ: این کتاب در ہند بتالب طبع رسید و اول کسے کہ آنرا در ہند آورد مولوی عبد الحی مرحوم اند وایشان در سفر حج از دے سند فن حدیث ہم بطریق اجازہ بالکتابۃ حاصل نمودے بودند" (اتحاف النبلاء ص ۲۰۹)

دہلوی، شاہ عبد الحی بڈھانوی، مگر ہنوز،

ہر کس نگہے دارد ہر کس سخنے دارد

در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

اب امام کے چوتھے شاگرد کا ذکر جناب عبد الرحمن صاحب، (بی اے) نے کیا ہے، کہ شہید راہ خدا مولانا ولایت علی صادقپوری (اولٓئک الذین صدقوا و اولٓئک ھم المتقون) (م ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ع) امام شوکانی سے انتساب فی السند رکھتے تھے، اس کا تذکرہ مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مین کیا ہے، لیکن موصوف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہین دیا ہے، اس لئے یہ محتاج توثیق رہ گیا ہے[1]، لیکن یہ صحیح نہین، اس اجازہ کا پورا ذکر الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور مین آیا ہے، چنانچہ مولٰینا ولایت علی صاحب کے تذکرہ کے ضمن مین مذکور ہے:۔

"کہ منظمہ مین پہنچ کر آپ نے عبد اللہ سراج محدث سے سند حدیث حاصل کی، عبد اللہ سراج فرماتے تھے، کہ مولانا نے حدیث کے لفظون کی سند مجھ سے لی، اور معانی کی سند مین نے مولانا سے حاصل کی؛

بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، عسیر، مسقط، حضرموت، مخا، حدیدہ مین دور و سیر کرتے رہے، اور قاضی علی شوکانی سے بھی جن کی ولادت ۱۲۱۷ھ / ۱۸۰۲ع اور وفات ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ع مین واقع ہے، سند حدیث حاصل کی، اور ان کی چند تصنیفات درۃ البھیہ وغیرہ اُن سے لین، اُس ملک عرب سے بسواری جہاز مراجعت کرکے کلکتہ پہنچے"[2]

ہندوستان مین، امام شوکانی کے پانچوین شاگرد (بلاواسطہ) جن کا نشان منزل امیر الملک بھوپال کے صدقہ ملا، وہ شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ع) ہین، اور ان کا ذکر سادات اخیار قریہ چورہ مین کیا ہے، چنانچہ

[1] اخبار اہل حدیث امرتسر بابت ۲۶ راپریل ۱۹۲۶ء [2] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور ص ۱۲۲

تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار مین بسلسلہ تذکرہ سید شاہ حسین علی، سید احمد سعید کالپوی کے متعلق مذکور ہے:۔

"میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی، وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ است از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت ...."[1]

سید حسین شاہ اسی صلب سعید سے ہین، اور شیخ سندی کے اجازہ عن الشوکانی کے لئے اسی خاندان کے ایک خیر الاخلاف بزرگ ہین، مختصر سا شجرہ سبب وضاحت ہوگا، یعنی

۱۔ میر سید محمد ترمذی کالپوی — م ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ع

۲۔ میر سید احمد — م ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ع

۳۔ شاہ فضل اللہ — م سنہ ؟

۴۔ سید سلطان ابو سعید — م ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ع

۵۔ سید احمد سعید — م ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ع

۶۔ سید شاہ حسین علی — م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ع

۷۔ سید شاہ ابو سعید خیرات علی — م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ع

۸۔ سید شاہ ظہور محمد — م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ع

حضرات چورہ کا مختصر تذکرہ میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق مذکور ہے:۔

"اصل ایشان از سادات ترمذ ست آبا، کرام او در جالندر از توابع لاہور سکونت داشتند پدرش میر ابو سعید در کالپی طرح اقامت ریخت وے در عنفوان تحصیل بخدمت شیخ یونس کہ عالم عامل و محدث کامل بود تلمذ کرد، و تا مطول تفتازانی گزرانید، و اجازت حدیث فرا گرفت ......" و تتمہ از کتب تحصیلی

[1] تقصار جیود الاحرار ۲۰۵–۲۰۶

قدرے پیش مولانا عمر جاجموی و اکثرے در حلقۂ درس شیخ جمال اولیاء کوڑوی گذرانید ....."

میر آزاد گفتہ کہ وے در آخر عمر عیسوی المشہد بود و در مقام قطبیت کبری متمکن گردید یعنی

چنانچہ احیاء اموات از عیسیٰ علیہ السلام واقع میشد احیاء قلوب از ایشان واقع شد"

"از مصنفات شریفہ تفسیر سورۂ فاتحہ در واضح بعبارت عربی، و رسالہ تحقیق روح و اسرار التوحید

وزاد السالکین و رسالۂ فنا و رسالہ عقائد صوفیہ و رسالہ عمل و معمول و رسالہ واردات است، و در

۱۱۰۱ھ / ۱۶۹۰ء وفات شد رحمہ اللہ تعالیٰ"[1]

میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی کے متعلق ہے :-

"وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ ست از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و

نور ولایت از جبین ہمایون می تافت ...... ابتداء حال دامن سعی با کتساب دانش صوری

بستہ و از حسامی تا بیضاوی نزد شیخ محمد افضل الٰہ آبادی گذرانیدند،[2]

۳- شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد کا حال یون مذکور ہے :-

"فرزند ایشان شاہ فضل اللہ جامع دانش صورت و معنی بودند و بر روش پدر و جد بزرگوار

قدمے راسخ داشتند"[3]

۴- سید سلطان ابو سعید پسر شاہ فضل اللہ کے متعلق فرماتے ہین :-

"بعد ایشان سلطان ابو سعید فرزند ایشان جانشین پدر شدند، صاحب دوام حضور

و ذوق سرور بودند و عرفان تخلص می کردند، تتابع طبع والا است"

دیروز کہ دل رفت ز کاشانۂ ما لیلی گویا برون شد از خانۂ ما

امروز شنیدم ز نا لیلی می گفت گلبانگ دگر شنو ز دیوانۂ ما

[1] انتصار جیوداالاحرار...... ص ۲۰۵ و ۲۰۶، [2] ص ۲۰۶ [3] صفحہ ۲۰۶،

وفات ایشان در ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۲ء بودہ ہم قوین الفردوس تاریخ وفات ست"[1]

۵- سید احمد سعید بن سید سلطان ابو سعید :-

"بعد و سید احمد سعید فرزند ایشان زیب افزائے سجادۂ آبائے کرام و خضر راہ سرگشتگان

بادیۂ غرام آمد میر آزاد می نویسند کہ چون فقیر بارادہ حجاز فیض طراز از بلگرام برآمد و بر موضع

چدہ این طرف دریائے جمن عبور افتاد صحبت بابرکت ایشان را دریافت"[2]

"میر آزاد بلگرامی در علی پور چدہ او را دیدہ بود کہ تقدم سال وفاتش ۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء ہجریست

مادہ تاریخ وفات این مصرع باشد"

آواز شد ز غیب کہ فی جنتی دخل"[3]

۶- سید شاہ حسین علی بن سید احمد سعید کالپوی، (جنھون نے کالپی سے چدہ مین طرح اقامت

ڈالی) کے متعلق ہے،

"سید حسین علی بیعت بر دست والد خود کردہ رحل اقامت مع الاستقامت در قریۂ چدہ

انداخت، انتقال وے در ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء بودہ در مدرسہ دفن شد محقق سادہ تاریخ وفات است"[4]

(۷) سید شاہ ابو سعید معروف بہ سید شاہ خیرات علی فرزند شاہ حسین علی کا ذکر یون آیا ہے:-

"در ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء از عدم بعرصہ گاہ وجود قدم نہاد آفتاب سیادت اکبر مادہ تاریخ ولادت

شریفہ است ......"

"اکابر مارہرہ از مریدان او سید شمس حافظ علی رضا بن شاہ بوندی بن شاہ برکات و

سید سلطان اعالم و سید صاحب عالم ہم ایشان بجاوے بیعت کردند و ہم از پیش وے

مجاز گردیدند"

[1] انتصار جیوداالاحرار...... ص ۲۰۶ [2] ایضاً...... ص ۲۰۷، [3] ایضاً [4] ایضاً صفحہ ۲۱۰، ص ۲۱۰،

"میرزا حسن علی محدث لکھنوی نیز در طریقۂ علیہ نقشبندیہ ابو العلائیہ مرید جناب ایشان گردید و ہم جناب ایشان از میرزا صاحب سند و اجازت کتب مرویۂ علم حدیث ستاندند"

ع ما ہم غنیمتیم شما ہم غنیمت اید،

انتقال برکت اشتمال سید خیرات علی در ۱۲۴۷ھ اتفاق افتاد"

پھر سید شاہ خیرات علی اور نواب والاجاہ کے والد (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ملاقات اور پیوند قرابت داری کے متعلق مذکور ہے :-

"والد مرحوم محرر سطور را با ایشان ملاقات و محبت بود، از ایشان پنج فرزند ماندند یکے سید نور محمد کہ بعد از پدر عالی قدر سجادہ آبا کرام را زیب و زینت بخشیدند، و در حسن خلق و تواضع و مہمان نوازی با خلق و خشوع و خضوع با خالق آیتے بود وفات ایشان در ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۷ء رو داد

"کلان کتاب الابرار لفی علیین" مادہ این وصال ست"

"فرزند بزرگ ایشان سید شاہ کاظم علی موصوف بودند بصفات حسنہ از خلق حسن و اشتغال بذکر و فکر، والد مرحوم دختر خواہر خود را در حبالۂ نکاح ایشان داد، محرر سطور بارہا ایشان را در وطن و در کدورہ و در بھوپال برخورد، پیر نورانی بودند در سن نزدیکی در ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء بجوار رحمت حق آسودند با جملہ خالی از کیفیت سلوک نبودند و در عسر و یسر بکشادہ پیشانی و لطافت و ظرافت طبع میگذرانیدند"[۱]

۸- حضرت سید شاہ ظہور محمد (م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء: تقصار ...... ص ۲۱۲ سطر ۲) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے؛

"........ فرزند دوم سید شاہ خیرات علی قدس سرہ حضرت شاہ ظہور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بودند"

---

[۱] تقصار جیود الاحرار، ص ۲۱۰؛

"ولادت ایشان بتاریخ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء صورت بست لفظ ظہور محمدی، مادہ تاریخ سال مذکور است با تفاقاً این تاریخ ہمت ایشان در تقوی و زہد و معرفت و عبادت بسیار بلند افتادہ بود، علوم رسمیہ و فنون عرفیہ را در وطن و لکھنو بحلقۂ درس مولوی ولی اللہ و مولوی حیدر لکھنوی از فضلائے فرنگی محل اکتساب فرمودند، و طریقۂ بیعت بخدمت پدر بزرگوار خویش بجا آوردہ اجازت یاب گردیدند"

"و در سفر دہلی کتب علوم دینیہ را از فقہ و حدیث و جز آن از خدمت شہرۂ آفاق مولوی محمد اسحاق مہاجر مکی تحصیل نمودند، و سالیکہ شاہ عبد العزیز دہلوی و شاہ غلام علی مجددی بجوار رحمت الٰہی انتقال کردند، جناب ایشان رونق بخش دار العلم دہلی بودند، و در نماز جنازۂ این بزرگواران شریک ماندند"

"و نیز کتب سنت مطہرہ، امثال صحیحین و موطا مالک و بلوغ المرام نحو آن از میرزا حسن علی محدث لکھنوی شاگرد شاہ عبد العزیز دہلوی سند کردند و اجازت سلسلہ حدیث بدست آوردند"

"میل خاطر ایشان بسوئے عمل با حدیث بیشتر بود، در ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء محمل سفر حجاز بہمت والا بربستند، و با برادر خود و قدوۃ النقبا سید سلطان احمد خویش میر بیر علی قنوجی مراحل مسافرت پیمودند و بعد از ادائے فریضۂ حج زیارت مسجد نبوی و مرقد مطہر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم چہار دہ ماہ در جوار حرمین شریفین بسر آوردند و اکتساب انواع فیوض و برکات از علماء و مشائخ آنجا پرداختند، از آن جملہ قرأت صحیحین ست کہ این ہر دو اصل اصیل دین مبین را بر شیخ علامہ محمد عابد سندی مدنی، شاگرد قاضی القضاۃ اسمٰعیل قطب یمانی امام الائمہ محمد بن علی شوکانی رحمہما اللہ تعالیٰ گذرانیدند، و سند سلسلہ علیہ سنت مطہرہ بہم رسانیدند"[۱]

---

[۱] تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۲۱۱؛

الغرض شیخ محمد عابد سندی مدنی ہندوستان میں امام شوکانی کے پانچوین شاگرد و بالواسطہ ہیں،

نکتہ اوج تام پر ماہ تمام آگیا	یعنی وہ چاند حسن کا بر سر بام آگیا

شیخ عابد سندی کے متعلق ارشاد ہے،

"وھذا الشیخ محمد عابد کان	شیخ محمد عابد علامہ فقیہ و محدث تھے،
شیخا علامۃ فقیھا محدثا سکن	مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی اور
المدینۃ و ولی ریاسۃ علمائھا	یہان کے علماء کے سرخیل سمجھے گئے،
...وتوفی الشیخ محمد عابد یوم	انھون نے یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول
الاثنین من شھر ربیع الاول	۱۲۵۷ھ میں وفات پائی اور بقیع میں
سنۃ ۱۲۵۷ ودفن بالبقیع کذا ذکرہ	دفن کئے گئے،

یون تو امیر الملک نواب سید صدیق حسن خان کے سراپاے صدق و حسنہ کے لئے ابھی ایک دفتر درکار ہے تاکہ

تم کو بھی ہم بتائیں کہ مجنون نے کیا کیا	فرصت کشاکش غم ہجران سے گر ملے

مگر اب اس داستان کو ہم یہین ختم کرتے ہیں "وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین"

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پر ۱۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

لفظ "فتنہ" اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

قرآن پاک میں یہ لفظ بشکل فعل اور بصورت اسم متعدد جگہ آیا ہے، اور بہت سی چیزون کو مختلف جہات سے فتنہ کہا گیا ہے، چونکہ یہ لفظ باعتبار معنی بہت سے پہلوؤن کا حامل ہے، اس لئے ہم اس کی تحقیق کرنی چاہتے ہیں، اور تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے ہین، کہ فلان فلان مقام میں اس کے یہ معنی ہیں، اور اس میں یہ پہلو ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو مطالعۂ قرآن کے وقت اس کے مفہوم کی تعیین میں سہولت ہو،

عربی زبان میں لفظ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، چنانچہ لسان العرب میں جو لغت کی اہم کتاب ہے، ازہری اور صحاح جوہری کے حوالہ سے اس کی حسب ذیل تشریح درج ہے :-

الازھری وغیرہ جماع معنی الفتنۃ	ازہری وغیرہ کہتے ہیں کہ فتنہ کے اصلی معنی
الابتلاء والامتحان والاختبار واصلھا	آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، اور در اصل یہ لفظ
ماخوذ من قولک "فتنت الذھب والفضۃ"	فتنت الذہب والفضۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے
اذا اذبتھما بالنار لتمیز الردی من الجید	معنی یہ ہیں کہ چاندی سونے کو آگ پر اس لئے
وفی الصحاح اذا ادخلتہ النار لتنظر ما جودتہ	تپایا جائے کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے اور
ودینار مفتون؛	صحاح جوہری میں بھی اس لفظ کی اصل یہی قرار
(لسان العرب جلد ۱۷ ص ۱۹۳)	دی گئی ہے، اور دینار کی صفت مفتون آئی

مذکورۂ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ کے اصل معنی کسی دھات کو آگ میں تپا کر اس کا کھرا کھوٹا الگ کرنا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسے کن کن معانی میں استعمال کیا ہے، اور ان معانی کا اصل اشتقاقی معنی سے کیا تعلق ہے؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اولاً ان معانی کا احاطہ کیا جائے جن میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر اس اصل معنی سے مناسبت معلوم کیجائے۔

لفظ فتنہ کے معانی قرآن پاک میں

قرآن پاک کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان اور آزمایش ہو، فتنہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ تمام چیزیں جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت میں ضعف کا باعث ہوں اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہو جائے، فتنہ ہیں، اس معنی کے اعتبار سے مال و دولت بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کی فراوانی میں کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے، فقر و فاقہ بھی فتنہ ہے، اس لئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت میں بھی بہت کم ایسے نکلتے ہیں کہ راہِ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو، اور خدا کی مرضی پر صابر و شاکر رہتے ہوں، اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ کر دیتے ہوں، عہدہ و منصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے عموماً غرور پیدا ہو جاتا ہے، عہدہ دار اپنے کو خادم کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے، اولاد بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کے آرام و راحت کے لئے انسان جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے، بیوی بھی فتنہ ہے، اس کی محبت بسا اوقات صحیح نصب العین سے انحراف کا باعث ہوتی ہے، کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنا بھی فتنہ ہے، کہ اس میں اہلِ حق کی حق پرستی اور عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے، کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے، منافق کی وہ تدبیر اور روش بھی فتنہ ہے، جو اہلِ حق کے خلاف وہ عمل میں لاتا ہے، کہ اس سے حق پرستوں کی آزمایش شدید سے شدید تر ہو جاتی ہے، ذیل میں ہم ان آیتوں کو جن میں لفظ فتنہ آیا ہے، الگ الگ سرخیوں کے تحت لکھتے ہیں جس سے لفظ کے معنی اور پہلو دونوں متعین ہو رہیں گے، مثلاً

۱- راہِ حق سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنے کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا،

آیت	ترجمہ
۱- وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ	اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ	انھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی نکال دو،
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ	فتنہ قبیح ہونے میں قتل سے بھی بڑھ کر ہے،
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ	اور ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرو جب تک
فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ	کہ وہ تم سے اس میں جنگ کریں، پس اگر وہ
جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ، فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو،
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	کافروں کی یہی پاداش ہے، پس اگر وہ
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا	باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے،
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ.	اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ
	کا قلع قمع ہو جائے، اور دین (طاعت)
	اللہ کے لئے ہو جائے، پس اگر وہ باز آجائیں
(بقرہ - ۲۴)	تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں،
۲- يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	وہ تم سے حرمت والے مہینہ میں جنگ
قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ	کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں، کہدو اس میں
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ	جنگ کرنا بڑا ہے، اور اللہ کی راہ سے
الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ	لوگوں کو روکنا اور خدا کا انکار اور مسجد
عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ	حرام سے روکنا اور حرم کے مستحقین کو اس سے
وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ	نکالنا، خدا کے نزدیک اس سے بدتر ہے،

عن دینکم ان استطاعوا
(بقرہ - ۲۱۷)

فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر قبیح ہے، اور وہ (کفار) برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے، یہان تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اگر انھیں اس پر قابو ہو جائے۔

۳- فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علیٰ خوف من فرعون و ملأھم ان یفتنھم وان فرعون لعال فی الارض وانہ لمن المسرفین
وقال موسیٰ یقوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین فقالوا علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین
(یونس - ۸۳ - ۸۵)

پس موسیٰ کی تصدیق بجز اس کی قوم کے کچھ نوجوانون کے، اور کسی نے نہ کی، بسبب اس کے کہ انھیں فرعون، اور آل فرعون سے اندیشہ تھا کہ انھیں فتنہ مین مبتلا کرے گا، اور بلا شبہہ فرعون سرزمین مصر مین ادھم مچائے ہوے تھا اور وہ سر پھرون مین سے تھا، اور موسیٰ نے کہا اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر تمھارے اندر اسلام ہے، پس انھون نے کہا خدا ہی پر ہمارا توکل ہے، اے پروردگار ہمیں ہمیں ظالم لوگون کا تختۂ مشق نہ بنا

۴- ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا، واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم، (ممتحنہ - ۵)

اے پروردگار ہمین کافرون کا تختۂ مشق نہ بنا، اور اے پروردگار ہمین بخشدے بیشک تو غلبہ والا حکمت والا ہے،

۵- ثم ان ربک للذین ھاجروا

پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگون کو

من بعد ما فتنوا ثم جاھدوا و صبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم، (نحل - ۱۱۰)

جنھون نے مظلومیت اور فتنہ مین مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا اور ثابت قدم رہے، بخشنے والا مہربان ہے

۶- ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ خسر الدنیا و الآخرۃ ذلک ھو الخسران المبین،
(حج - ۱۱)

اور لوگون مین بعض ایسے ہین، جو خدا کی پرستش کنارے پر ہو کر کرتے ہین، اگر اُسے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے، تو اس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر کسی آزمایش سے دوچار ہو جاتا ہے، تو اپنے منہ کے بل برگشتہ ہو جاتا ہے، ایسا کرکے دنیا و آخرت دونون مین خسران کا مستحق ٹھرا لیتا ہے، اور یہی کھلا ہوا خسران ہے،

۷- الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین،
(۱-۳ عنکبوت)

کیا لوگ اس خیال مین ہین کہ صرف آمنا کہنے سے چھوڑ دیے جائین گے، اور اُن کی آزمایش نہ ہوگی، حال یہ ہے کہ اُن سے پہلے لوگون کو ہم نے پرکھا، پس خدا ان لوگون کو جو صادق ہین، اور انھین جن کے قول و فعل مین مطابقت نہین ہے

۸- ومن الناس من یقول آمنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل

اور لوگون مین بعض ایسے ہین جو آمنا کہتے ہین، پس جب اللہ کی راہ مین اسے

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعَالَمِيْنَ،

(۱۰ - عنکبوت)

ایذا دی جاتی ہے، تو انسانون کے ہاتھون جو ایذا اُسے پہنچتی ہے اُسے عذابِ الٰہی کے مثل ٹھہراتا ہے، اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ہم تمہارے ساتھ ہین، کیا خدا لوگون کے سینون مین جو کچھ ہے، اس سے

۹- اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ، (بروج - ۱۰)

بلاشبہ جن لوگون نے مسلمان مردون اور مسلمان عورتون کو فتنہ مین مبتلا کیا، پھر وہ اس سے باز نہ آئے، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور بھڑکنے والی آگ کا دکھ ہے،

۱۰- وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ،

(انفال - ۳۹)

اور ان سے جنگ جاری رکھو، یہان تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہوجائے، اور پورے طور سے اطاعت خدا کے لئے ہوجائے، پس اگر وہ باز آجائین، اور تائب ہوجائین تو جو کچھ وہ کر رہے ہین، خدا کی نگاہ مین ہے،

۱۱- وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا

اور جب تم سفر مین ہو تو تم پر کچھ گناہ نہین کہ نماز مین قصر کرو، اگر تمہین اس کا خطرہ ہو کہ کافر تمہین فتنہ مین مبتلا کردین گے، بلاشبہ کفار تمہارے کھلے ہوے دشمن ہین،

۱۲- وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفال)

اور کفار بعض بعض کے ولی ہین، اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا،

اوپر جو آیتین درج کی گئی ہین، ان مین ہر جگہ یہ لفظ مخالفین حق کی تشدد آمیز مخالفتون اور مزاحمتون پر مشتمل ہے، بالفاظ دیگر باطل پرستون کے ہاتھون اہلِ حق پر جو نوع بنوع کے مظالم اختلاف عقیدہ اور اختلاف مسلک کی بنا پر ڈھائے جاتے ہین تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک سے باز آجائین اس کی تعبیر اس لفظ سے کی گئی ہے،

(باقی)

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہین، بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی سیاسی، علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی، اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خود مولانا کے بعض ہم عہد و ہم عصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین،...... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک، صرف عہ، مجلد لعہ،

"منیجر"

ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاوی عالمگیری

از

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر اور جنوری کے معارف میں حافظ مجیب اللہ صاحب کا مضمون "فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین" نظر سے گذرا، جب تک یہ مضمون ختم نہ ہوا تھا خیال تھا کہ پھلواری کے وہ بزرگ جنھون نے اس کی تدوین مین شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہین ہے کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف مین شریک رہے ہین اور اگر علم ہے تو ان کا تفصیلی حال معلوم نہین، اس لئے ذیل کی سطرین برائے اشاعت پیش ہین،

ملا فصیح الدین جعفری ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا، وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے، تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہہ کے حلقہ درس مین شامل ہو کر تکمیل کی سلطان عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگون مین تھے

ملا فصیح الدین اپنے استاد کے ذریعہ عالمگیر کے دربار مین پہونچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاویٰ عالمگیری کی تدوین مین شریک کئے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کر کے مدد معاش مین ایک سو بیس (۱۲۰) بیگھہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا،

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ مین درس دینا شروع کیا، ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابون مین ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا اس مین

حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علما و فضلا درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا،

ملا فصیح الدین کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، پھلواری کے متقدمین علماء مین ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی، ارشد تلامذہ مین موصوف کے چارون صاحبزادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہین،

بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگون نے ان سے علمی فیض حاصل کیا، ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنون خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولٰنا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے،

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ مین وفات پائی، اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ مین مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالمگیر کی طرف سے جو فرمان تھا اس مین اس کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہون،

"درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یکصد و بست بیگھہ زمین از پرگنہ پھلواری مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود انحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد،"

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ ۱۱۲۰ھ مین تجدید کیا گیا تھا

ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا اس مین بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہو گیا،

(۲)

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاوی عالمگیری مین ہونا یہان کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر مین بھی آئی تو بہت بعد مین، ان کے ہم عصرون مین سے یا ان کے متصل ہونے والون مین سے کسی کا نوشتہ موجود نہین ہے، اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکرون مین بزرگون کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے،

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان مین جو روایت مسلسل چلی آرہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہین ہو سکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے،

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی واکبری مین یہان آکر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی مین تھے لیکن وہان ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی،

ابو الفضل کے اکبر نامہ مین بضمن وقائع سنہ ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے، خدا بخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری مین شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل مین موجود ہے، شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب مین بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیے تھے تاکہ پٹھانون کو سر اٹھانے کا موقع نہ دین، اسی زمانہ مین خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہان آئے یہ عبداللہ ابن جعفر طیار رض کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے، امیر عطاء اللہ نے یہان سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے جہان جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد مین ملا فصیح الدین

درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے، اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان مجریہ سنہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی و مہر "اخلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندون کو ملا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:-

"۔۔۔ ملا مذکور شاگرد آخوند ملا عوض وجیہ۔۔۔ متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بگہہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد بجز دعا گوئی کند امیدوار از تفضلات" "و یومیہ مسجد بآن قصبہ بنا کردہ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بگہہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ"

اس فرمان سے ظاہر ہو گا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا،

پس فتاوی عالمگیری کے جمع کرنے مین انھون نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندانی روا جون، روایتون اور انفرادی نوشتون، دفینون اور سفینون کو اکٹھا کر کے بنائی ہی جاتی ہے، پھر پھلواری کے ذی علم و معتمد خاندان کی روایت تاریخ کا ماخذ کیون نہین بن سکتی ہے،

---

[1] معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بگہہ زمین" (؟)

تلخیص و تبصرہ

"وجود باری تعالیٰ"

از

جناب خواجہ احمد فاروقی، ایم اے، لکچرار، عربک کالج، دہلی

مارسین (A. Cressy Morrison) کی جو نیویارک کی سائنس اکاڈمی کا صدر رہ چکا ہے تازہ تصنیف "انسان الگ کھڑا نہین رہ سکتا" (Man Does not Stand alone) ابھی حال مین نیویارک سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مطالعہ نے میرے دل و دماغ پر عجیب و غریب اثر ڈالا، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس مین وجود باری تعالیٰ پر جس انداز مین گفتگو کی گئی ہے اوس کو معارف کے ناظرین تک بھی پہنچاؤن، ذیل مین اس عنوان پر اس کی تحریر کی ضروری تلخیص پیش ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"ابھی سائنس کا آفتاب پوری طرح افق سے طلوع نہین ہوا، لیکن جیسے جیسے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے، کہ اس دنیا کی تخلیق ایک زیرک اور ہوشمند خالق کے ہاتھون ہوئی ہے، ڈارون کے انتقال سے اب تک اس نوے برس مین عظیم الشان ایجادات و انکشافات ہوئے ہین، لیکن وہ سب وجود باری تعالیٰ کی نفی کے بجائے اس کے اثبات کا یقین دلاتے ہین،

زندگی کے لئے جن چیزون کی ضرورت ہے ان مین ایک باہمی رابطہ اور تعلق ہے، یہ تعلق محض اتفاقی نہین ہے، بلکہ بڑی دانائی اور حکمت سے قائم کیا گیا ہے، مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ

کے حساب سے گھومتی ہے، اگر وہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرتی، تو ہمارے دن اور ہماری راتین دس گنی زیادہ بڑی ہو جاتین، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سورج کی گرمی ہماری کھیتیون کو جلا ڈالتی اور رات کو بچی کھچی پھوٹنگین پالے سے ماری جاتین،

سورج ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح کا ٹمپریچر ۱۲۰۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہے، ہماری زمین اس سے ایسے صحیح اور مناسب فاصلہ پر واقع ہوئی ہے، کہ آفتاب کی تمازت ہمین ٹھیک مقدار مین حاصل ہوتی ہے، وہ نہ کم ہے، اور نہ زیادہ، اگر آفتاب کی شعاع افشانی مین بقدر نصف کے کمی ہو جاتی تو ہم جم کر مرجاتے، یا اگر اس کی تمازت اور ضوافگنی بقدر نصف کے زیادہ ہو جاتی، تو ہم جل کر کباب ہو جاتے،

زمین کا خم یا ڈھلان ۲۳ ڈگری کا ہے، اس سے موسمی تبدیلیان واقع ہوتی ہین، اور اگر کرہ ارض اس طرح اوپر کو اٹھا ہوا نہ ہوتا تو سمندر کی بھاپ شمال اور جنوب کی طرف جاتی، اور ہزارون لاکھون برف کی چٹانین قائم ہو جاتین، اسی طرح اگر چاند موجودہ فاصلہ کے بجائے ۵۰ (پچاس) ہزار میل دور ہوتا، تو مد و جزر اتنا سخت ہوتا، کہ دن مین دو دفعہ سارے براعظم پانی مین ڈوب جایا کرتے، اور یہ پہاڑ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے،

اگر زمین کا پرت (قشر ارض) دس فٹ اور موٹا ہوتا، تو ہمین آکسیجن مطلق میسر نہ آسکتا، اور یہ ظاہر ہے کہ آکسیجن کے بغیر زندگی محال ہے، اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرا ہوتا، تو کاربن اور آکسیجن دونون جذب ہو جاتے، اور نباتات مطلق نہ اگ سکتی، یا اگر کرۂ ہوا کچھ زیادہ ہلکا ہوتا تو شہاب ثاقب ہر وقت زمین سے ٹکراتے رہتے اور ہر جگہ آگ لگاتے رہتے،

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالین اس صانع حقیقی کی حکمت اور دانائی کی سب سے بڑی شہادتین ہین، اور بتاتی ہین کہ زندگی کا ان چیزون سے رابطہ محض اتفاقی نہین ہے،

زندگی کیا ہے؟ یہ راز اب تک کسی کو نہین معلوم ہو سکا، اس کی نہ پیمایش ہو سکتی ہے، نہ اس کا

کچھ وزن ہے، لیکن اس مین قوت ضرور موجود ہے، اُگنے والا پودا پتھر کو توڑ کر نکل آتا ہے، اسی زندگی کی قوت نے پانی، خشکی اور ہوا، پر قبضہ کر لیا ہے، عناصر پر اسی کی حکمرانی ہے، یہی تمام زندہ چیزون کی صورت گری کرتی ہے، ہر پتی کو بناتی ہے، اور ہر پھول کو رنگ بخشتی ہے، وہ ہر چڑیا کو محبت کا گانا سکھاتی ہے، چھوٹے چھوٹے کیڑون کو بھی وہ گوناگون آوازین عطا کرتی ہے، یہی زندگی ہے جو پھلون اور مسالون کو ذائقہ اور گلاب کو خوشبو دیتی ہے، وہ پانی اور کاربن کو شکر اور لکڑی مین تبدیل کر دیتی ہے، اور اس طرح آکسیجن پیدا کرتی ہے جو جانورون کے سانس لینے کے لئے ضروری ہے،

ذرا اس تخم مایہ (یا مادۂ اولی) کے تقریباً نظر نہ آنے والے قطرے کو دیکھئے، جو شفاف ہے، اور جیلی کی مانند ہے، جو حرکت کر سکتا ہے، اور اپنی قوت (energy) سورج سے حاصل کرتا ہے، یہ چھوٹا سا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ چھپائے ہوئے ہے، اور اسے اتنی قدرت ہے، کہ وہ اس زندگی کو دوسری چھوٹی بڑی زندہ چیزون کو تقسیم کر سکتا ہے، اس نازک قطرہ کی قوت نباتات، حیوان اور انسان سے زیادہ ہے، اس لئے کہ زندگی اسی کے ذریعہ آئی ہے، یہ زندگی کس نے پیدا کی؟ آتشین چٹان اور بے نمک سمندر اس کو پیدا نہین کر سکتے تھے،

چھوٹی سی سامن (Salmon) مچھلی سمندر مین برس ہا برس گزار دیتی ہے، لیکن پھر اسی دریا مین پہنچ جاتی ہے، جہان وہ پیدا ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ وہ معاون دریا کے اسی راستہ سے جاتی ہے جس سے آئی تھی، آخر اس کو یہ سمجھ کہان سے آئی،؟ اگر آپ اس کو کسی اور معاون دریا مین پہنچا دین، تو اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا، کہ یہ غیر جگہ ہے، اور وہ اس کی پوری کوشش کرے گی کہ اصل دریا مین پہنچ جائے،

ایسے ہی بام مچھلی (eels) کا معاملہ ہے، یہ بالغ ہوتے ہی تالابون اور دریاؤن سے ترک سکونت کرتی ہین، اور یورپ والیان تو ہزارون میل کا سفر کر کے برمودا (Bermuda

کے بے کران سمندر مین پہنچتی ہین، یہین ان کے بچے ہوتے ہین، اور یہین وہ مر جاتی ہین لیکن لطف یہ ہے کہ ان کے بچے انھین دریاؤن اور تالابون مین پہنچتے ہین، جہان سے اُن کے والدین آئے تھے، کوئی امریکی بام مچھلی آج تک یورپ مین نہین ملی، اور کوئی یورپی ایل امریکہ کے سمندر مین نہین پائی گئی،

یورپ کی بام مچھلی دوسری جگہون کے مقابلہ پر ایک سال بعد بالغ ہوتی ہے تاکہ وہ اس وسیع و عریض سمندر کا سفر طے کر سکے،

کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، جو یہ سمجھ دے سکتا ہے؟ یہ چیزین مادۂ قبول یا مطابقت پذیری (Adaptation.) سے نہین آسکتین،

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، وہ صدیون کے تجربات کا حامل ہے، کوئی جانور دس کے معنی نہین بتا سکتا، یہ شرف انسان کو حاصل ہے، اگر جبلت کو بانسری کے سُر سے تشبیہ دی جائے، تو کہا جا سکتا ہے کہ انسانی ذہن مین تمام راگ راگنیون کے سُر محفوظ ہین، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمگیر یا کلی عقل کا ایک حصہ ہمین بھی عنایت فرمایا ہے،

Genes اتنے چھوٹے ہوتے ہین کہ اگر تمام انسانون کے (Genes) کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے، تو وہ چمچی بھر سے بھی کم ہون گے، لیکن اس کے باوجود خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے (Genes) اور ان کے ساتھی، (Chro[illegible]mes) ہر زندہ خلیہ مین رہتے ہین، اور وہی انسان حیوان اور نباتات کی خصوصیات کے ذمہ دار ہین، حیرت ہے کہ (Genes) کس طرح ہمارے اسلاف کے تمام ورثہ کو بند کر لیتے ہین، اور ہر ایک کی نفسیات کو اتنی چھوٹی سی جگہ مین محفوظ رکھتے ہین، اللہ کے وجود کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، کہ بیس کھرب انسانون کی انفرادی خصوصیات ایک جگہ آسکتی ہین،

نشوونما کا عمل خلیہ سے شروع ہوتا ہے، جو (Genes) کا حامل ہے، اس (Gene)

مین لاکھون اجزاے لاتجزیٰ (Atoms) رہتے ہین، اور وہی ساری زندگی پر حکمرانی کرتے ہین،

یہ صرف خدا ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے،

ناگ پھنی کا پیڑ آسٹریلیا مین حفاظت کے طور پر لگایا گیا تھا، وہان کوئی کیڑا اس کا دشمن نہین تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اتنا پھیلا کہ انگلستان سے زیادہ رقبہ پر اس کا قبضہ ہو گیا، اس سے کھیتون کو سخت نقصان پہنچا ماہرین حشریات نے بالآخر ایک کیڑا دریافت کیا، جو صرف ناگ پھنی کھاتا تھا، اور بلا وقت پیدا ہوتا تھا آسٹریلیا مین اس کا کوئی دشمن بھی نہین تھا، چنانچہ اس جانور نے غیر ضروری پیداوار پر قابو پالیا اور آسٹریلیا سے یہ مصیبت رفع ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی روک تھام ہر جگہ رکھی ہے،

جلدی سانس لینے والے کیڑے دنیا مین زیادہ کیون نہین ہین، ؟ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُن کے آدمی کی طرح پھیپھڑے نہین ہوتے، وہ نلکی کے ذریعہ سانس لیتے ہین، جب یہ کیڑے بڑے ہوجاتے ہین، ان کی نلکیان اُن کے جسم کی نسبت سے نہین بڑھتین، اسی وجہ سے ان کی نسل زیادہ نہین پھیل سکی، اگر یہ روک تھام نہ رکھی جاتی، تو انسان کا زندہ رہنا محال ہو جاتا، اور ایک بھڑ شیر کے برابر ہو جاتی،

ذرا نباتات کی دنیا پر بھی ایک نظر ڈالئے، کون ہے جو ان خوبصورت پھولون کو اگاتا ہے کون ہے جو ہلکی ہلکی بارش سے ان کی آبیاری کرتا ہے ؟ کون ہے جو اُن کو رنگ و بو عطا کرتا ہے؟ کون ہے جو اُن کی نرم و نازک پتیون کو پھیلاتا ہے ؟ گلاب کا پھول اپنی باصرہ نواز سرخی اور سوسن کا پھول اپنی درخشان سفیدی کس طرح اس خاک تیرہ رنگ سے حاصل کرتے ہین ؟ کیسے ایک ننھے سے بیج مین سارا پودا چھپا ہوتا ہے، کون ہے جو ان پودون کو پھولنے پھلنے کا وقت بتا دیتا ہے، آم سے کبھی شفتالو نہین پیدا ہوتا، اور شفتالو سے کبھی آم نہین پیدا ہوتا، یہ اللہ کی قدرت کے کچھ کم کرشمے ہین ؟

خدا کے وجود کا ادراک صرف انسان ہی کر سکتا ہے، اور کوئی نہین، وجود باری تعالیٰ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، ؟ جب انسان کا صحت مند تخیل روحانی حقیقت بن جاتا ہے، تو اُسے ذرہ ذرہ مین خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے، اور اس پر باری تعالیٰ کی حکمت اور کائنات کے سربستہ راز کھلنے لگتے ہین،

استفسار و جواب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا نسب نامہ

جناب سید دل محمد صاحب نقشا،
گورنمنٹ ہائی اسکول ہوشیارپور

گرامی نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہ مضمون مضامین مالک مین کتابی صورت مین شائع ہو چکا ہے، یہ مضمون گمراہ کن ہے، اس کی تردید ضروری ہے، خود حضرت نے اپنے قصیدہ مین فرمایا ہے کہ مین حسنی حسینی سید ہون، وغیرہ، آپ سے تحریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مقالہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تردید کلیتہً ہو جائے، معارف کے جس پرچہ مین شائع ہو، اس کی ایک کاپی مجھے ارسال فرما دین،

معارف:- مین پچھلے عریضہ مین عرض کر چکا ہون کہ وہ دلائل میری نظر سے نہین گذرے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے متعلق کسی نے کچھ لکھے ہین، اور نہ اتنی فرصت ہے کہ ملک کے مختلف گوشون مین جو کوئی نئی بات کہتا پھرے خواہ وہ کتنی ہی بے سند ہو، اس کی تردید اپنے اوپر فرض کر لیجائے، اہل نظر کی نگاہون مین ایسی تحریرین خود وقعت نہین رکھتی ہین، اور نہ اُن کے رد کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے آپ اس سے معاف فرمائین،

البتہ آپ کی تشفی کے لئے آپ سے عرض ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ جو معتبر ماخذ مین ہے، اس سے ان کی سیادت واضح ہے، نسب نامہ درج ذیل ہے،

"الشیخ عبد القادر بن ابی الصالح عبد اللہ بن جنکی دوست بن ابی عبد اللہ بن یحیی بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجوزی بن عبد اللہ المحض بن الحسن المثنیٰ ابن الحسن بن علی بن ابی طالب الجیلانی،

یہ مذکورہ بالا نسب نامہ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب" (جلد ۴ ص ۱۹۸) سے نقل کیا گیا ہے، جو اتفاقاً اس عریضہ کی تسوید کے وقت میز پر موجود ہے، اس کی تصدیق متقدم و متاخر دیگر تصنیفات سے بھی کی جا سکتی ہے،

مثلاً یافعی المتوفی ۷۶۸ھ کی مرآۃ الجنان مین بھی یہی نسب نامہ محض بعض نامون کے جزئی فرق کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے ۵۶۱ھ مین وفات پائی ہے (ابن اثیر حوادث ۵۶۱ھ و دیگر کتب تراجم) یافعی کا زمانہ اُن سے کچھ زیادہ دور نہین، پھر یافعی سے ایک صدی پہلے شیخ نورالدین شطنوفی کی بہجۃ الاسرار لکھی گئی ہے، اس کا پورا نام بہجۃ الاسرار و معدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار ہے، اس کا زمانہ تصنیف ۶۶۰ھ ہے، یعنی شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ کی وفات کے سو سال کے اندر یہ کتاب تصنیف پائی ہے، اور اس مین حضرت شیخ عبدالقادر کو سادات اخیار مین شمار کر کے سب سے پہلے انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس مین ان کا لفظ بہ لفظ وہی نسب نامہ ہے جس کو یافعی نے نقل کیا ہے، (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۴، و حاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰)

اسی طرح متاخرین مین شیخ محمد بن یحیی تاذفی حنبلی المتوفی ۹۶۳ھ نے اپنی قلائد الجواہر

مین اور شیخ عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے اپنی الطبقات الکبریٰ مین شیخ کا یہی نسب آمہ قبول کیا ہے، جس کا سلسلہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر تمام ہوتا ہے، (حاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰ ، و الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸)

اس طرح اگر استقصاء سے دیکھا جائے تو شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ کی وفات جس صدی مین ہوئی، اس کے بعد سے ہر صدی کی مشہور و مستند کتب تذکرہ و تاریخ مین انہین سادات مین شمار کیا گیا ہے، اور جزئی نامون کے فرق کے ساتھ وہی نسب نامہ نقل ہوتا آرہا ہے، جو ساتوین صدی کی تصنیف مین بھی موجود ہے، اس لئے متقدمین و متاخرین کے ان بیانون کار د نہین کیا جا سکتا، عقلی قیاس آرائیان تاریخی حقائق کو بدل نہین سکتین،

یہ صحیح ہے کہ بعض شاذ روایتین ایسی بھی ہین، جن مین حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ کی سیادت سے انکار کیا گیا ہے، لیکن یہ خیال شریف مین رہے، کہ اس خانوادہ کو نسبی سیادت کے ساتھ ایک قسم کی مذہبی و روحانی سیادت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا، اور اس زمانہ مین متصوفین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جس نے تصوف کو اپنی دنیا طلبی کا ذریعہ و وسیلہ بنا لیا تھا، اس لئے اگر معاصرانہ چشمک سے کسی نے اس خانوادہ کی سیادت پر طعن کیا ہو تو وہ اعتنار کے لائق نہین، ان معترضین نے حضرت شیخ کے نسب نامہ مین جنگی دوست کے نام کے موجود ہونے سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے، کہ یہ عجمی نام ہے، لیکن یہ عجیب قسم کا اعتراض ہے، عربون کے جو خانوادے عجم مین آکر رہ گئے ہیں، اگر ان کے جدید وطن کے اثر سے ان کے خاندان کے کسی نام مین عجمیت آگئی ہو، تو یہ کونسی ایسی بات ہے کہ اس کی بنیاد پر ان کے عرب ہونے سے انکار کر دیا جائے، آپ کو ایسے پچیسیون خانوادون کے شجرے مل سکتے ہین، جو عرب سے نکلے، اور ان کے نامون مین عجمیت کا اثر آگیا،

پھر یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کے شجرہ نسب مین جنگی دوست

نام جو آیا ہے وہ بظاہر نام ہونے کے بجائے لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شذرات الذہب اور مرآۃ الجنان کے نسب نامون مین نامون کے جو بعض جزئی فرق پائے جاتے ہین ان مین سے ایک شذرات الذہب مین اسی نام جنگی دوست" کا اضافہ بھی ہے، یہ اضافہ نہ یافعی کی مرآۃ الجنان مین ہے، نہ بہجۃ الاسرار مین نہ قلائد الجواہر مین ہے، اور نہ شعرانی کی طبقات مین اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہ خیال ہو سکتا ہے، کہ جنگی دوست" کوئی مستقل نام ہونے کے بجائے، شیخ ابو صالح یا ابو عبداللہ کا لقب ہو، جس کو بعض مورخین نے ایک مستقل نام تصور کر لیا، اور اس کی بنیاد پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی سیادت و غیر سیادت کی بحث چھڑ گئی، اور پھر یہین سے شیعہ اہل قلم کو موقع ملا، انھون نے اس کو غیر معمولی طور پر اچھالا، ورنہ درحقیقت یہ ساری بحثین لغو ہین، کہ در اصل یہ موضوع ہی سرے سے ایسا نہ تھا، کہ اس کی تحقیق و اثبات پر ہم اور آپ وقت صرف کرتے، مگر محض آپکے بار بار کے اصرار کے باعث یہ چند سطرین لکھی پڑین، بہرحال آپکے ارشاد گرامی کی تعمیل ہو جائے گی، اور پچھلے اور اس عریضہ کو ملا کر زیر ترتیب معارف مین چھپنے کو دیدیا جائے گا،

والسلام

س

علامہ مرتضیٰ زبیدی

مولوی ابوالقاسم صاحب فاروقی حنفی
بحری آباد ضلع غازی پور

علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کے مجمل حالات و سنہ ولادت و وفات مع اسامی تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطلوب ہین، و نیز یہ کہ کیا علامہ موصوف کے دو نام ہین، محمد مرتضیٰ و عبدالرزاق؟ اور کیا علامہ موصوف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہین؟ اگر ہین تو

بثبوت میں تاریخ وسیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، دنیز موصوف کے مفصل وجسوط حالات کن کن کتابوں میں ملیں گے امید ہے کہ خدمتِ علم کے پیشِ نظر اوقاتِ گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا موقع عنایت فرمادیں گے، فقط

والسلام

معارف:۔ آپ کی یاددہانی بار بار ملتی گئی آپکے استفساروں میں جو دوسرا سوال باقی رہ گیا تھا اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہوں، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح وسنین، اور مؤلفات کا حال درج ذیل ہے:۔

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام ونسب شیخ ابو الفیض سید محمد بن محمد بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان میں آیا، اور بلگرام میں سکونت اختیار کی، ان کی پیدائش بلگرام میں ۱۱۴۵ھ میں ہوئی، وہیں نشو ونما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل کی، اُن کے شیوخ میں شیخ محمد فاخر الہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام آتے ہیں، انھوں نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید میں مدتوں مقیم رہے، اس نسبت سے زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ میں مکہ معظمہ میں مصر کے شیخ وقت سید عبد الرحمن عیدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، وہاں کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، پھر اس تعلق سے ۱۱۶۷ھ میں مصر وارد ہوئے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار وامصار میں گئے، اور وہاں کے شیوخ سے علم حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں زندگی گذاردی

ماہ شعبان ۱۲۰۵ھ میں مصر میں طاعون میں مبتلا ہوکر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ میں دفن کئے گئے بجز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات میں زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم جلدوں میں ہے، اور ۱۴ سال میں تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف ۱۱۸۱ء میں اختتام کو پہونچی، اس کی خوشی میں علمی جشن منایا اس تصنیف سے عالم اسلامی میں ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، اور انکے علم وفضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم وفضل کے سلاطین قدردان تھے، حجاز، ہندوستان، یمن، شام، عراق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدر افزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریباً ایک سو ہے، ان میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں، مطبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ **تاج العروس** کا پہلا نسخہ ۱۲۸۶ھ میں مطبع الوہبیہ مصر میں چھپا، مگر مکمل نہ ہو سکا، صرف پانچ جلدیں چھپ کر رہ گئیں، دوسری مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدوں میں شائع کیا، اس کے آخر میں مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہیں جن میں اُن کے علمی خدمات کا ذکر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہیں،

۲۔ **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر علامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصروں نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس میں اُن کے جوابات دئے گئے ہیں، یہ کتاب پہلے ۱۳۰۲ھ میں فاس سے ۱۳ جزوؤں میں اور ۱۳۱۱ھ ہجری میں مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ اجزاء میں چھپی ہے،

۳۔ **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر ۱۳۲۶ھ

۴۔ **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابو الحسن شاذلی کی حزب

کی شرح ہے ۱۳۲۳ھ مین مطبعہ سعادۃ سے شائع ہوئی،

۵- عقد الجواهر المنيفه في ادلة مذهب الامام ابي حنيفه طبع اسکندریہ ۱۲۹۲ھ

۶- نشوة الارتياح في بيان حقيقة الميسر و القداح، طبع لیدن ۱۳۰۳ھ،

ان کتابون کا ذکر معجم المطبوعات مین بھی آیا ہے، (ج ۱ ص ۹۲۶) ان کی حسب ذیل غیر مطبوعہ کتابین کتب خانہ مصر مین موجود ہین :- (۷) مختصر العینی (۸) اسانيد الكتب الستة الصحاح (۹) كشف اللثام عن آداب الايمان والاسلام (۱۰) دفع الشكوى وترويح القلوب في ذكر ملوك بني ايوب (۱۱) معجم الشيوخ (۱۲) الفية السند، (الاعلام جلد ۳ ص ۹۰۳)

"س"

وفیات

حکیم حبیب الرحمن مرحوم ڈھاکہ

ڈھاکہ کے متعدد دوستون کے خطوط سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جادونگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب مین ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کی بیماری مین سنہ قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر مین دفعتہ وفات پائی،

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اپنے والا نامہ مین لکھتے ہین،

"آپ کو وفیات لکھنے مین ملکہ ہے، ایک اور وفات نامہ معارف مین لکھ دیجئے، آپکے اور میرے مخلص دوست حکیم حبیب الرحمن صاحب کا یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ر فروری ۱۹۴۷ء کی شب مین دفعتہ بلڈ پریشر بڑھ جانے سے انتقال ہوگیا، انا للہ،

مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی صرف و نحو کے شاگرد اور بڑے عاشق تھے، علامہ شبلی کے دوستون مین تھے، مسلم لیگ کی جب بنیاد ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ مین رکھی گئی اور نواب سر سلیم اللہ خان اس کے صدر ہوے تو مرحوم جوائنٹ سکریٹری ہوے تھے، علم طب حکیم عبد المجید خان صاحب سے حاصل کیا، اور اس مین کمال کا درجہ پایا، بنگال مین اس وقت ان کے درجہ کا کوئی طبیب نہین سُنا گیا، ڈھاکہ مین طبیہ کالج قائم کیا، اور بڑی ہمت سے اس کو چلاتے رہے، گورنمنٹ نے شفاء الملک کا خطاب دیا، جس کو

(لیگ کی تحریک کی بناپر) ستمبر میں واپس کردیا،

اُن کے اس کالج سے بہت سے اطبا پیدا ہوئے اور اب بھی سلسلۂ درس جاری ہے، اور خدا کرے برابر جاری رہے،

مولانا شبلی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ میں ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے، وہاں سے دو دوستوں کے نام ہم لوگوں کے لئے تحفہ میں اپنے ساتھ لائے، ایک کا نام مرزا فقیر محمد صاحب اور دوسرے کا حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا مرحوم کے بعد ان دونوں کی دوستی و محبت کا سلسلہ اس حقیر راقم الحروف کی طرف منتقل ہوا، مرزا صاحب کا مدتوں سے پتہ نہیں، خدا جانے وہ جیتے بھی ہیں یا نہیں، حکیم صاحب مرحوم نے اخیر تک دوستی نباہی، اُن کے اخلاق کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جن دوستوں سے ان کی دوستی رہی، اس کو وہ اخیر تک بکمال احتیاط و اہتمام نباہتے رہے،

خط و کتابت کی معرفت تو مولانا شبلی مرحوم کے عہد سے شروع ہو چکی تھی، مگر ملاقات جسمانی کی نوبت ۱۹۲۳ء کے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ میں آئی، اس کے بعد بارہا وہ ڈھاکہ بلاتے اور اس کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبیں پیدا کرتے رہے، مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا،

مرحوم نسباً فاروقی اور وطناً باغستانی علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے، ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں تھے، لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب مرحوم کے یہاں آئے، اور یہیں شادی کر کے بس گئے، اور اس تقریب سے سرحد ہند کی یہ دولت بنگال کی قسمت میں آئی،

حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے لکھا ہے، آگرہ اور بہار میں ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ڈھاکہ سے لکھا ہے، کہ ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور میں گذرا، کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کئے، ابتدائی صرف و نحو کے کچھ اسباق جیسا کہ پہلے گذرا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمہ اللہ کانپور میں درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ھ میں ہوا، اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی، معقول مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، اور مولانا عبد الوہاب صاحب بہاری سے پڑھی جب وہ کانپور میں مدرس تھے، حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی، اور اجازت لی، طب حکیم عبد المجید خان صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۰۱ء سے پڑھی، اور اس میں کمال کا درجہ حاصل کیا، ۱۹۰۰ء میں وہ تعلیم سے فارغ ہو کر ڈھاکہ لوٹے اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی، مرحوم کی تعلیم تمام تر پرانے طرز کی ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین و لطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے، اپنے اسی فطری ذوق کی مدد سے تاریخ و ادب کی کتابیں پڑھیں اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق زیادہ تھا، تاریخ و ادب تھے، اور اسی سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، چنانچہ ۱۹۰۶ء ان کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی، باتوں باتوں میں انھوں نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی، کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے اُن کے اس خیال کی تحسین کی، اور بنگال کا حصہ اُن کے سپرد کیا، حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطوں میں اُن کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے، بنگال سے متعلق ثلاثۂ غسالہ کے نام سے ایک کتاب اور اُن کے زیر قلم تھی، "ثلاثۂ غسالہ" کا نام انھوں نے حافظ شیراز کی اُس غزل سے لیا تھا، جس کو حافظ نے سلطان بنگالہ کے نام لکھکر بھیجا تھا،

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اسی غزل کا ایک ٹکڑا ہے، "ثلاثۂ غسالہ می رود" الفارق اور حیات سقراط ان کی طالب العلمی کے رسالے ہیں، اُن کی دوسری تصنیفات کے نام مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے،

شعراے ڈھاکہ وغیرہ ہین، آخری تصنیف آسودگان ڈھاکہ ہے، جو ابھی ۱۹۳۶ء کے اخیر مین چھپ کر شائع ہوئی، جس مین بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق، اور تذکرے ہین، اس کے بعد آسودگانِ ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک مین آسودہ ہوگیا،

اُن کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے، اس سال انھون نے ڈھاکہ سے المشرق کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر جادو کے نام سے ایک اور ادبی و علمی رسالہ جاری کیا، معارف کے ابتدائی پرچون مین بھی اُن کے بعض مضامین چھپے ہین،

مرحوم کے قلم مین بڑی لطافت تھی، محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی، لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگرانِ ادب سے ہوسکی، ان مین پہلا نام نواب نصیر حسین خان خیال (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمن (ڈھاکہ) کا ہے، افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتون نے اُن کے ادبی کارنامون کو اُبھرنے کا موقع نہین دیا، اور اُن کی یہ قوتِ انشا پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی،

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا، اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکون کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ اُن کے جمع کردہ سکون کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثارِ قدیمہ مین ہے، جس کا تاریخوار کیٹلاگ بھی چھپ کر شائع ہوچکا ہے، اس کے بعد جو سرمایہ اُن کے پاس جمع ہوا، اس کو دار المصنفین کے نام منتقل کرنے کا بارہا ارادہ انھون نے کیا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے، قیافہ اور نباضی مین کمال رکھتے تھے، صورت دیکھکر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے، حضرت حکیم الامت کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے سن کر مرض کی تشخیص کی، اور دوا تجویز کی، جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی اطلاع آئی، تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر آپہنچا، اور آخر جیسا انھون نے کہا ویسا ہی ہوا،

مرحوم کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے، کئی سال کی بات ہے، مین نے ریڈیو پر ایک تقریر کی، مرحوم نے ڈھاکہ سے لکھا، مین نے ریڈیو پر آپ کی آواز سُنی جو آپکے ضعفِ قلب کا اعلان کر رہی تھی، اس کی جلد خبر لین، چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے جانبری فرمائی،

مگر آہ! وہ مسیحا نفس جو دوسرون کو موت کے پنجہ سے چھڑایا کرتا تھا، آخر وہ دن بھی آیا جب وہ خود اس کے پنجہ مین گرفتار ہوا، مرحوم کو کئی مہینون سے اپنے اس آنے والے حادثہ کا خیال تھا، جنوری ۱۹۴۷ء مین بعض دوستون سے کہہ چکے تھے، کہ مین جب جاؤن گا، دفعۃً جاؤن گا، جس دن حادثہ پیش آیا، متعدد مریضون کو جاکر دیکھا، مغرب بعد نشستگاہ مین بیٹھ کر دوستون سے باتین کین، ہنستے بھی رہے، ہنساتے بھی رہے، اور اسی سلسلہ مین فرمایا، کہ آج مولانا عثمانی ڈھاکہ مین نہین، اس کی فکر ہے، ان کو اپنی حالت سے اندازہ ہورہا تھا، کہ کوچ کی منزل قریب ہے، اس لئے کچھ وصیتین بھی کرچکے تھے، جن مین ایک یہ تھی کہ میری نماز مولانا ظفر احمد تھانوی پڑھائین، اور اگر وہ نہ ہون تو پیرجی عبد الوہاب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم پڑھائین، چنانچہ تقدیر یہی تھی، کہ مولانا عثمانی اس دن کہین باہر تھے، تین بجے شب کو قلب کا دورہ پڑا، ڈاکٹر کے لئے آدمی گیا، جیسے ہی اُس نے چوکھٹ پر قدم رکھا ہے، مسافر عالم بالا کے سفر پر روانہ ہوگیا، آناً فاناً خبر شہر مین پھیل گئی، صبح کو تجہیز و تکفین عمل مین آئی، جنازہ مین اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہین کہ ڈھاکہ مین شاید ہی کسی کے جنازہ مین ایسا مجمع ہوا ہو، حسب وصیت پیرجی عبد الوہاب نے نماز پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد مین ہوئی، اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطۂ مزار مین سپرد خاک ہوئے،

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر مین کہرام ہے، عام و خاص سب ہی متاثر ہین، اہلِ قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیون سے ظاہر ہے جو ڈھاکہ کے دو بزرگون نے لکھکر بھیجے ہین،

حبیبی! دوستون نے تمھارے لئے مرثیے لکھے، احباب نے تمھارے فراق مین آہِ جگر سوز کھینچی،

جاننے والون نے تمھارے اوصاف گنائے، ماننے والون نے تمھارے احسانات یاد کئے، اگر تم اوس دنیا مین ہو جہان اس دنیا کی مدح و ستائش کی حکایتین نہین پہنچتین، مغفرت کی دعائین، تمھارے لئے ہین، غفور رحیم اُن کو قبول فرمائے،

"س"

مرثیہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی

یا عین جودی بدمع غیر منجمد — علی الحبیب وقد وارُوہ فی اللحد

قد الحد واحکمۃ فہما و تجربۃ — لکل عرض من الاسقام فی الجسد

قد الحد واعون اھل الضرقاطبۃً — قد الحد والیوم حقاً زینۃ البلد

ما کان احسنہ خلقا و مکرمۃ — وکان یبذل للمولیٰ بذات ید

ما کان اصوبہ رأیا ومشورۃ — وکان منطقہ احلی من الشھد

ما کان الزمہٗ للعلم نابغۃ — للقوم والملۃ البیضاء کالعضُد

کان الحبیب الی قلبی وصورتہ — تجول فی العین عند النوم والسھد

من کان یدعی شفاء العالمین لم یجد دا — لہ شفاء فواحزناہ فی کبدی

یارب فاغفرلہ وارزقہ منزلۃ — کریمۃ عجبا فی عیشۃ رغد

یارب نورلہ فی قبرہ ابداً — واجعلہ فی خیر من یُھدیٰ الی الرشد

جبیب رحمان مغفور لہ کرماً
۱۳۶۶ھ

یزداد حقًّا علیہ آخر الابد
۱۳۶۶ھ

مرثیہ (۲)

از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین ڈھاکہ

(فقید داکۃ)

أترزق (داکۃ) بعد فقد حبیبھا" — او تستفی البنغال بعد طبیبھا

طَفِئت منائر علمھا و ذکائھا — وخبت معارفھا لفقد لبیبھا

جاءت جمین بنعیہ فاغرورقت — مقلٌ تمجّ دمائھا بشکیبھا

الطبُّ أجھش بالبکاء تیتمًا، — والعبقریۃ نحبھا النجیبھا

اما الخطوب فابھجت ببشرھا — ظفرت باوفر حظھا ونصیبھا

ذھب الفقید وبعد یتکر الدجیٰ — کالشمس یجواسیں بعد مغیبھا

ذھب الفقید، فقید کل معارف — ومفاخر فذ وی رواء خصیبھا

وضعوہ فی رمس وتمرع روحہ — عند الملائک فی جمال قشیبھا

اللہ انزلہ محل کرامۃ،

تسقیہ رحمۃ بجود صبیبھا،

حیاتِ شبلی

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی، عملی کارنامے، صفحات ۸۴۶،

قیمت مجلد لعہ، غیر مجلد للعہ

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

مکالماتِ افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، حجم ۵۰۴ صفحے قیمت للعہ

افلاطون کی معیاری تصنیفات مین سے "ریاست" کے بعد اس کی یہ دوسری تصنیف ایک ذمہ دار و کہنہ مشق مترجم کے قلم سے اردو زبان مین منتقل ہوئی ہے، اس مین افلاطون کے آٹھ مکالمے ہین، جن مین بیشتر سقراط کی زبان سے ادا کئے گئے ہین، ترجمہ کی زبان سلیس، روان اور بے ساختہ ہے، مترجم نے اپنے مقدمہ مین ان مکالمات کے ادبی و فلسفیانہ خصوصیات کو دکھایا ہے، مکالمات نہایت لطیف اور خوشگوار مباحث پر ہین، انھین معیاری ڈرامہ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے، مباحث مین خیالات کی فراوانی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اس کتاب سے اردو کی معیاری کتابون مین ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

محسن کتابین مرتبہ مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جمعیۃ التعاون دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت مجلد عا غیر مجلد عار

رسالہ الندوہ کے جدید دور مین ایک مستقل عنوان "ہماری محسن کتابین" قائم کیا گیا تھا، اور ملک کے مشہور اہلِ علم و اربابِ قلم کو ان کتابون پر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی جن کے مطالعہ سے انھون نے اپنے علمی و ادبی اور عملی زندگی مین کوئی مستقل اثر قبول کیا ہو، چنانچہ اس موضوع پر مختلف اربابِ علم وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تجربے اور تاثرات قلمبند کرتے گئے، اور وہ الندوہ مین شائع ہوتے رہے، لائق مرتب نے ان مضامین کو زیرِ تبصرہ مجموعہ مین ترتیب دیدیا ہے، یہ مجموعہ خصوصاً نوجوانون کے لئے بیحد مفید ہوگا، کہ وہ اپنے پیشرون

کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکین، اور ان آزمودہ کتابون کے مطالعہ سے اپنے علمی استعداد کے بڑھانے اور اپنے علمی ذوق کے بنانے مین کام لے سکین، امید ہے کہ اس مجموعہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

چند ہمعصر، از مولوی عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت :- عہ، پتہ :- دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی،

مولوی صاحب کی یہ کتاب مقبول عام ہو چکی ہے، اس مین حضرت مینائی، جسٹس سید محمود، پروفیسر مرزا حیرت، مولوی عزیز مرزا، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی وحید الدین سلیم، اور خواجہ غلام الثقلین وغیرہ کی زندگی کے ایسے حالات قلمبند ہو گئے ہین، جو کسی دوسری جگہ نہین ملتے، دوسری طرف خود مصنف کے نصف صدی پہلے کے طرزِ تحریر اور علمی و ادبی رجحانات نیز ان مین عہد بعہد کی تبدیلیون کا اندازہ ہوتا ہے، اچھا ہوتا اگر ان مضامین پر نظرِ ثانی بھی کر لی گئی ہوتی، کہ کم سے کم اربابِ تراجم کی علمی خدمات و تصانیف کا تذکرہ مکمل ہو جاتا، کہ نصف صدی کے ان اربابِ کمال پر علحدہ سے پھر کون قلم اٹھائیگا، نیز وہ جامعیت کہان سے پیدا ہو سکے گی، جو ایک واقفِ حال ہمنشین کے قلم سے ممکن ہے،

مسلمانون کا حصہ سائنس اور کلچر کی ترقی مین (Muslim contribution to Science and culture.) از جناب محمد عبد الرحمٰن خان صاحب حجم ۸۳ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت عہ پتہ :- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر کتابچہ مین سائنس اور دوسرے عقلی علوم مین مسلمانون کے دورِ ترقی کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین عباسیون، آل بویہ اور فاطمین وغیرہ کے دور کے علمی کارنامون اور سائنٹفک ترقیون کا ذکر آیا ہے، اور مختلف فنون کے باکمال ماہرین کے خدمات گنائے گئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ نئے دور کی علمی ترقیان دراصل اسی اسلامی عہد کی علمی ترقیون کی رہین منت ہین، کہ ان کی

ترقی کی دیوار انہی بنیادون پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات مفید اور کارآمد ہے،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبد الرحمن صاحب فیضی حجم ۹۶ صفحے، قیمت ۸ر پتہ:-

عادل برادرس نمبر ۱، ۴ ایونیو روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبد الرحمن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ انھون نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع مین فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششون کے سلسلہ کی بعض تقریرون اور اعلانون کو یکجا کیا گیا ہے، ۵۲ وین صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا مین فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہین پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہین، رسالہ مین بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثین بھی کی گئی ہین، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسون کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایون کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بی اے وجناب یوسف ظفر صاحب بی اے حجم ۲۰۰ صفحے کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، سرورق خوشنما، قیمت:- عار، پتہ:-

دفتر ہمایون، نمبر ۳۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایون کو اردو کے ادبی رسالون کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکسان سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کر لئے، اس چوتھائی صدی مین اس کے ہاتھون بڑی بیمانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتین انجام پائی ہین، اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی مین اپنی سلور جوبلی منائی ہے، اور اپنے قدر دانون کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے، جس مین ملک کے ممتاز ادیبون نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی مین شریک ہوتے ہین، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہین، امید ہے کہ یہ نمبر قدر دانون کے حلقہ مین ہاتھون ہاتھ لیا جائیگا،

"ر"

جلد ۵۹ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

استفسار وجواب